عطرِ افشاں

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
ریسرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال
کنیڈا

خانۂ حکمت۔ ادارۂ عارف

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	تاریخ تحریر	صفحہ نمبر
۱	گزارش نامہ	۲۸، نومبر ۱۹۸۷ء	۳
۲	نورانی وقت	۳۰، اکتوبر ۱۹۸۷ء	۱۱
۳	عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ	۲، نومبر ۱۹۸۷ء	۱۹
۴	عظمتِ قرآن اور حقائقِ ازل و ابد	۱۰، نومبر ۱۹۸۷ء	۲۸
۵	کنوزِ قرآن	۱۳، نومبر ۱۹۸۷ء	۴۰
۶	تصورِ ازل اور سُنّتِ الٰہی	۱۷، نومبر ۱۹۸۷ء	۴۹
۷	فرشتوں کی معرفت	۲۰، نومبر ۱۹۸۷ء	۵۷
۸	بہشت کی معرفت	۲۵، نومبر ۱۹۸۷ء	۶۹
۹	طوافِ کعبۂ حقیقت	۷، دسمبر ۱۹۸۷ء	۸۲
۱۰	نورِ نبیؐ کی معرفت	۱۶، دسمبر ۱۹۸۷ء	۹۳

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science knowledge for a united humanity

گزارش نامہ

۱۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ میرے بہت ہی عزیز ساتھیو اور دوستو! ہم سب کو، جو شرق و غرب میں اس انتہائی اہم اور مقدّس علمی خدمت سے منسلک ہیں، پگھلتے ہوئے دلوں اور برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ سربسجود ہو کر خدائے بخشندہ و مہربان کی بیمثال و لازوال نعمتوں کا شکر کرنا واجب ہے، کیونکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے کیسے کیسے عظیم احسانات ہوتے آتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مہربانیوں کو اپنی کوشش اور خدمت سمجھ بیٹھیں، حالانکہ یہ اس کی عنایات و نوازشات ہیں، اور ہم از خود کچھ بھی نہیں، چنانچہ پروردگارِ عالم کی لاتعداد نعمتوں اور احسانات کو پہچاننے اور اپنی نیستی کا اندازہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ اگر ہم اپنی حقیر سی ہستی و حیثیت کی سچائی سے تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے بُنیاد و آغاز کی طرف چلے جائیں، تو اس سلسلے

یں ہم سب سے پہلے اپنے آپ کو حقیر پائیں گے، پھر حقیر تر، پھر حقیر ترین، اور اس کے بعد ہمارے وجود کی کسی شئی کا پتا ہی نہیں چلے گا، کہ اس سے بحث کی جائے، اور اسے مَیں یا ہم جیسی "انا" قرار دیا جائے، اِس مثال سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ دراصل ہم نے کوئی خدمت ہی نہیں کی ہے، بلکہ ہوا یہ ہے کہ ہم بڑی نادانی اور انتہائی گستاخی سے اُس کے انعامات واحسانات کو اپنی خدمات سمجھتے آئے ہیں، تاہم اس کی شانِ کریمی بڑی عجیب وغریب ہے، کہ ایسا لگتا ہے، جیسے ہماری ان عقلی کمزوریوں اور بچگانہ خیالات پر اس کا لطفِ عمیم مُسکرا رہا ہو۔

۲۔ دوستانِ عزیز! ہم اپنی روحوں کو کس طرح ترقّی دے سکتے ہیں؟ خدا، رسول اللہؐ اور امامِ برحقؑ کی اطاعت سے، جماعت کی خدمت سے، مقدّس اداروں کے احترام سے، حقیقی علم کے حصول سے، اس کی روشنی پھیلانے سے، عبادت، بندگی، عاجزی اور اخلاق کی درستی سے، ظاہری اور باطنی تقویٰ سے، اور ملک وقوم کی خدمت سے، کیونکہ ہر شخص کو ترقّی عزیز ہے، تو ہم بھی کوشش کر سکتے ہیں، اور دین یہی سکھاتا ہے کہ ہر شخص میدانِ عمل میں آگے بڑھے۔

۳۔ خانۂ حکمت اور اِدارۂ عارف کو قرآنی حکمت کی خدمت کے سلسلے میں جو توفیقات وتائیدات عنایت ہوتی ہیں، وہ کوئی

معمولی بات ہرگز نہیں، مجھے صاف صاف بتا دینا ہوگا ورنہ خیانت ہو گی کہ یہ نورِ امامت کے علمی معجزات ہیں، اور حضرتِ امام علیہ السّلام ہمیشہ اسی طرح کام کرتا رہا ہے، آپ کو یہاں اس موقع پر یہ بھی جاننا ہے کہ خدا حقیقی بادشاہ ہے، اس لئے وہ بقولِ قرآن اپنے اکثر کاموں کو فرشتہ، روح، پیغمبر اور امام سے کراتا ہے، مگر یہ ایک عجیب اتّفاق ہے کہ ادیانِ عالم کے بہت سے لوگ مذکورہ درجات میں سے تین کو تو مانتے ہیں، مگر امام کو نہیں مانتے، حالانکہ امامِ مبینؑ کی ذاتِ مقدّس میں لوگوں کے لئے سب کچھ موجود ہے۔

۴۔ روحانی تجربہ یا عقیدہ ذاتی معاملہ ہوا کرتا ہے، لیکن قرآنی فکر کا نتیجہ اور ہر ایسی بات جو قرآن کی روشنی میں کہی گئی ہو، وہ تمام مسلمانوں کے لئے قابلِ توجّہ رہتی ہے، لہٰذا ہماری کوشش ہر وقت یہی ہوتی ہے کہ جو بات ہونی چاہیئے، وہ قرآنِ حکیم سے ہو یا قرآنی حکمت کے مطابق ہو، اس سلسلے میں اِن شاءاللہ مستقبل میں ہمارے ادارے کے کاموں پر ریسرچ ہوگی، مثال کے طور پر ہمارے یہاں ریسرچ (تحقیق) کے لئے انقلابی موضوعات یہ ہیں:۔

۵۔ روحانی تجربات، روح کیا ہے؟ تصوّرِ امامت، تصوّرِ قیامت، تصوّرِ ازل، تصوّرِ آفرینش، عالمِ شخصی، عالمِ ذرّ، اسرارِ انبیاءؑ، انسانِ کامل، قرآنی حکمت، ابداع و انبعاث، توحید،

نبوّت، امامت، خلافت، انسانی عظمت، جسمِ لطیف، بہشت، فرشتہ، عالمِ خواب، ذکرِ الٰہی، بروشسکی شاعری اور دیگر بہت سے مضامین۔

۶۔ جماعتی خدمت اپنی جگہ بے حد ضروری ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی بھی کچھ خدمت ہونی چاہئے، چنانچہ اس دفعہ اسی مقصد کے پیشِ نظر کتاب "قرآنی علاج" لکھی گئی تھی، اور وہ بفضلِ خدا بہت کامیاب ہوئی، آپ سب دعا کریں کہ ہم مزید کوئی خدمت انجام دے سکیں، ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے محدود سوچتے تھے، لیکن امامِ اقدس واطہرؑ نے اپنے قول و عمل سے بتا دیا کہ اسلام کا طول و عرض کیا ہے، اور مسلمانوں کی یکجہتی کتنی ضروری ہے۔

۷۔ مجھے اِس رسالے کو تحریر کرتے ہوئے روحانی مسرّتوں کا زبردست احساس ہو رہا تھا، ایک دن ان خوشیوں کے طوفانی عالم میں میرے دل نے مجھ سے کہا کہ اس کتابچے کا نام "عطرِ افشان" ہونا چاہئے، کیونکہ اس میں بہشت کے پھولوں کی گوناگون خوشبوؤں کا ایک غیر فانی ذخیرہ موجود ہے، یہ بات سوچے بغیر تھی، لہٰذا میں نے اسے معجزانہ قرار دیا، تاہم میں نے اس باب میں اپنے دوستوں سے مشورہ کیا، اور انھوں نے اس نام کو بہت پسند فرمایا، اور کہنے لگے کہ بیشک یہ کتاب عطر افشان اور عطر بیز (خوشبو پھیلانے

والی) ہے، ہمارے لنڈن کے احباب ان مضامین کو خاص اہتمام سے پڑھتے اور سنتے تھے، مگر اکثر ترجمہ کرنے کے بعد پھر خدا کی یاد ہوتی تھی، جس سے بعض عزیزان پر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہو جاتی، بعض حضرات کا کیا کہنا، وہ تو وجد میں آتے تھے، اور میں خود اشک فشانی سے لطف اندوز ہو جاتا تھا۔

۸۔ لنڈن کی اسماعیلی جماعت کئی اعتبار سے بڑی خوش نصیب ہے، کہ یہاں سے مرکزِ امامت قریب ہے، یہاں مولا کا سب سے بڑا علمی دفتر موجود ہے، اور مشہور اسماعیلی سنٹر (جماعت خانہ) بھی یہیں ہے، اس کے علاوہ دُنیوی طور پر لنڈن ایک ایسا شہر ہے، جس میں مادّی ترقّی کی کوئی کمی نہیں، تاہم یہاں بھی محنت کی سخت ضرورت پڑتی ہے اور اس کے بغیر یہاں کوئی شخص زندگی نہیں گزار سکتا۔

۹۔ ہمیں دین کی ہر ہر نعمت پر صمیمیّتِ قلب سے خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہمارے لنڈن کے عزیزوں نے حضرتِ امام علیہ السّلام کے علم کی خاطر بڑی جانفشانی سے کام کیا ہے، اس سلسلے میں پہلے سے زیادہ ترقی ہوئی ہے، جہاں کسی فرد کو شکوک و شبہات یا سوالات پیدا ہو جاتے ہیں، وہاں اسکو ایک کتاب دی جاتی ہے، جس کے ذریعے سے وہ مطمئن ہو جاتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر جگہ ایسا ہو رہا ہے، الحمد

للّٰہِ ربّ العٰلمین، کتابوں کے انگریزی ترجمے کا کام جاری ہے، دوسرے نمبر پر فرینچ ترجمہ ہے، اور اب جرمن زبان میں بھی ترجمہ کرنے کے لئے ایک دخترِ بلند اختر نے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔

۱۰۔ قرآنِ حکیم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پہلا اور امامِ برحقؑ دوسرا معجزہ ہیں، اور یہی میرا ایمان ہے، اب سوچنے اور کوئی منطقی نتیجہ نکالنے کی بات ہے کہ بیشک یہ دونوں عقلی معجزے تو ہیں، جن میں سے ایک خاموش ہے اور دوسرا بولتا ہے، ایک آپ کے پاس ہے، اور دوسرا دُور، لیکن آپ ان دونوں کو کیسے ملائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ہمیشہ کے لئے ملا کے رکھا ہے، اور اسی لئے رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: وَلن یتفرّقا حتّٰی یرِدا علی الحوضِ = اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر وارِد ہوں۔ آپ نے دیکھا کہ جہاں قرآن ہے وہاں امامؑ بھی ہیں، اور جس جگہ امامؑ ہیں اُس جگہ قرآن بھی ہے، سو آنحضرتؐ کے ان دونوں معجزوں سے بصد شوق میں اپنے خاندان سمیت فدا ہو جاؤں! کیا آپ نے اس حدیث کی حکمت میں کبھی غور کیا تھا؟ اگر نہیں تو اب غور کریں (کوکبِ دُرّی، ص ۱۷۳، منقبت ۸۳)۔

۱۱۔ معجزہ اپنی زبردست طاقت سے کسی کو مجبور نہیں کرتا، بلکہ یہ ہر شخص کے علم و عمل اور عشق کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، آپ اس بات کو معمولی نہ سمجھیں، اس میں بہت سے سوالات کے لئے منطقی جوابات موجود ہیں، مثال کے طور پر لوگ پوچھیں گے کہ اگر امام معجزہ ہے تو فلاں کام کر کے دکھائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھلا قرآن اور امامؑ جیسی معجزے نہیں کرتے، اگر آپ کے نزدیک کرتے ہیں تو پہلے قرآنِ پاک سے یہ معجزہ کرا کے دیکھو، ظاہر ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا، کیونکہ قرآنِ حکیم اور امامِ مبینؑ دونوں مل کر عقلی معجزے کرتے رہتے ہیں اور عقلی معجزات کو دیکھنے کے لئے بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۲۔ اب آخر میں مشرق و مغرب کے تمام عزیزوں کی طرف سے اور اپنی جانب سے چیئرمین امین کوٹاڈیا، اور سیکریٹری مریم کوٹاڈیا کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، کہ انھوں نے اپنے محبوب امام علیہ السّلام کے عزیز علم کی روشنی پھیلانے کی خاطر بہت سی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، دعا ہے کہ پروردگار اپنے خزائنِ عنایات و تائیدات سے ان کو اور جملہ معزز ارکان کو نوازتا رہے! اور دونوں جہان کی کامیابی و سربلندی عطا فرمائے! اس موقعِ شکرگزاری پر ہمارے امریکا کے عزیزان بھی یاد آتے ہیں، جو امامِ برحقؑ کے علم کے عاشق ہیں، خداوندِ عالم ان کی ہر نیک مراد

پوری کر دے!

۱۳۔ اِن شاء اللہ، میں پاکستان واپس پہنچتے ہی صدر فتح علی حبیب اور صدر محمد عبد العزیز سے درخواست کروں گا، تاکہ وہ چیئرمین امین کوٹاڈیا (لنڈن) اور چیئرمین نور دین راجپاری (امریکا) کو ان کے حُسنِ کارکردگی کا ایک ایک خط لکھیں، میں صدر غلام قادر (گلگت) اور چیف ایڈوائزر خان محمد (کراچی) سے بھی اس مقصد کے لئے گزارش کروں گا۔

نصیر الدّین نصیرؔ، ہونزائی۔
لنڈن
۶، ربیع الثّانی ۱۴۰۸ھ
۲۸، نومبر ۱۹۸۷ء

نورانی وقت

۱۔ نورانی وقت کا تفصیلی ذکر سورۂ مُزّمّل میں موجود ہے، وہ اس طرح کہ رات کی طوالت جیسی بھی ہو، اس کے مطابق شب کے تین یا دو حصّے کئے جاتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی مومن نیند سے بیدار ہوکر رات کی تقریباً دو تہائی کو ذکرِ الٰہی میں صرف کرتا ہے، تو یہ نورانی وقت کو پانے کے لئے درجۂ اوّل کی تیاری ہے، اگر یہ عمل نصف شب سے شروع کرتا ہے، تو دوسرے درجے کی تیاری ہے اور اگر وہ صرف رات کی آخری تہائی کو بندگی میں گزارتا ہے، تو یہ تیسرے درجے کی تیاری ہے، تاہم کئی دیگر شرائط بھی ہیں، جن کی تکمیل بے حد ضروری ہے۔

۲۔ شب و روز کے جُملہ اوقات و تمام حالات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو یاد کئے بغیر نہ تو ذکرِ کثیر (۳۳/۴۱) کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے،

اور نہ ہی تقرّب بوسیلۂ نوافل ممکن ہے، لیکن اس امرِ واقعی کے باوصف یہ بھی ایک قرآنی حقیقت ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کی عبادت بہت بڑی اہمیّت کی حامل ہوتی ہے (۷۳/۶) اور رات کی کامیابی کا مرکز نورانی وقت ہے جو دَورانِ عبادت کسی بھی مرحلے میں سامنے آسکتا ہے۔

۳۔ ایک حدیثِ قُدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ :
خَمَّرتُ طِینَۃَ اٰدمَ بِیَدَیَّ اَربَعِینَ صَباحاً۔ مَیں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے (مسلسل) چالیس یوم تک ہر صبح قالبِ آدم کی مٹی گوندھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے حضرت آدم علیہ السّلام کی روحانی تخلیق مراد ہے، جو خود آدمؑ کی مسلسل ذکر و عبادت کا نتیجہ تھی، خصوصاً اُس وقت کی عبادت کا جو پچھلی رات اور صبح سویرے کر لیا کرتے تھے، جس میں نورانی وقت پوشیدہ ہوتا ہے۔

۴۔ قرآنِ حکیم کی زبان جو عربی ہے، وہ عجیب و غریب اور عظیم حکمتوں سے مملو ہے، اس کی ایک مثال کے لئے لفظِ "مِصباحؔ" کو لیجئے، جو صبح سے اسمِ آلہ ہے، یعنی چراغ جو صبحِ صادق کی طرح روشنی پھیلاتا ہے، اب اِس پُر حکمت لفظ کو اُس آیۂ کریمہ میں دیکھئے، جو تمام آیاتِ نور کے لئے مرکزی اور اساسی اہمیّت رکھتی ہے، وہ آیۂ مبارکہ یہ ہے : اللّٰہ نورُ السّمٰوٰت والارضِ ط مثلُ نورہٖ کمشکوٰۃٍ فیھا مصباحٌ (۲۴/۳۵) خدا تو سارے

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

آسمان اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں ایک روشن چراغ ہو (۲۴/۳۵) اب یہاں اگر کوئی ہوش مند یہ سوال کرے کہ خصوصی بندگی اور مشاہدہ نور کے لئے کون سا وقت انسب (زیادہ مناسب) ہے؟ تو اس کا جواب لفظِ "مِصباح" سے یہ دیا جائے گا کہ اِس عظیم عمل کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے، لیکن خود کو مُستعد کر لینے کی خاطر بہت پہلے جاگنا پڑے گا۔

۵۔ مِصباح کا مطلب ہے آلۂ صبح، یعنی سورج اور چراغ، کیونکہ صبح کا آلہ دراصل سورج ہی ہے، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی زبان کے رواج میں مصباح چراغ کا نام ہے، نیز یہ بات بھی درست ہے کہ وہ آفتاب یا چراغ جو نورِ الٰہی کی مثل ہے، پیغمبرؐ اور امامؑ ہیں، کیونکہ قرآنِ حکیم انہی کی ذاتِ اقدس کو نورِ مُنزّل قرار دیتا ہے (۵/۱۵) اور فرمایا گیا ہے کہ خدا کا نور (جو نازل کیا گیا ہے وہ) بجھایا نہیں جا سکتا (۹/۳۲ ، ۶۱/۸) اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی از بس قابلِ توجّہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لفظاً روشن چراغ، اور معناً خورشیدِ انور ہیں، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کا چراغ ایک آفتابِ عالم تاب کی طرح ہوا کرتا ہے، جیسے سورۂ نبا (۷۸/۱۳) میں سورج کو روشن چراغ کہا گیا ہے۔

۶۔ اَصبحتُم کے دو معنی ہیں: تم نے صبح کی، تم ہو گئے،

جیسے ارشاد فرمایا گیا ہے: واذکروا نعمتَ اللّٰہِ علیکم اِذ کنتم
اعدآءً فالّف بینَ قلوبِکم فاصبحتم بنعمتہٖ اِخواناً
(۳/۱۰۳) اور خدا کی نعمت کو یاد کرو جو تمہیں عطا ہوئی جب تم آپس
میں دشمن تھے تو خدا نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی تو
تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، یعنی تم نے ایسی
حالت میں صبح کی کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے۔ پس اس
حکم میں صبح کا ذکر اس لئے ہے کہ بوقتِ سحر خصوصی بندگی کے
بعد فیصل شدہ امور کی رُونمائی ہوتی ہے، یا احساس ہوتا ہے،
جیسے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷/۷۸) میں ہے: اِنَّ قراٰن الفجر
کان مشھوداً (۱۷/۷۸) بیشک صبح کی بندگی مشاہدے کا باعث
ہوتی ہے۔

۷۔ ثواب ہو یا عذاب، اکثر صبح کے وقت وقوع پذیر ہو
جاتا ہے (۵۴/۳۴، ۱۱/۸۱)۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے ان مومنین
کی تعریف و توصیف کی ہے، جو بوقتِ سحر توبہ و استغفار کرتے
ہیں (۳/۱۷، ۵۱/۱۸) کیونکہ خدائے توّاب و غفّار اپنی رحمتِ عمیم سے
بوقتِ نورانیّت ان کی توبہ اور دعائے مغفرت قبول فرماتا ہے
جبکہ طلوعِ فجر کا وقت رحمتوں، برکتوں اور بخششوں کا موقع
ہُوا کرتا ہے۔

۸۔ خُدائے قادرِ مُطلق اپنے ہر کام کو کُن (ہو جا) کے امر سے

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

چشمِ زدن میں مکمّل کر دیتا ہے (۳/۵۹ ، ۴/۶۸) پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قالبِ آدمؑ کا گارا چالیس صُبحوں میں تیار کیا؟ یہ دراصل حضرت آدم علیہ السّلام کی خصوصی عبادت اور اس کے نتیجے میں روحانی تخلیق و تکمیل کا عمل ہے، لیکن اس کے وسائل خداوند تعالیٰ کی طرف سے تھے، لہٰذا یہ خدا کا فعل قرار پایا، اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں، یاد رہے کہ حضرت آدمؑ کی اربعین صباح، حضرتِ موسیٰؑ کی چالیس رات (۷/۱۴۲) اور حضورِ اکرمؐ کے غارِ حرا کی راتیں ایک ہی سُنّتِ الٰہی کے مطابق حصولِ نورانیّت کے لئے مقرّر تھیں۔

۹۔ انسان کو جب بھی قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ برتر اور مقدّس چیزوں کی قسم کھاتا ہے، لیکن خدائے تعالیٰ سے کوئی چیز بالاتر نہیں، اس لئے وہ ایسی چیزوں کی قسم کھاتا ہے، جو اس کے نزدیک مقدّس اور بابرکت ہوتی ہیں، جیسے سورۂ مدثّر میں ہے: سُن رکھو (ہمیں) چاند کی قسم اور رات کی جب جانے لگے اور صُبح کی جب روشن ہو جائے (۷۴/۳۴) اس میں بڑی عجیب و غریب حکمت پوشیدہ ہے کہ پوری رات کی قسم نہیں، بلکہ اُس حصّے کی قسم ہے، جو صبح کے قریب ہے، جس کی مثال اس خط سے ظاہر ہو جاتی ہے:

	قسم	قسم
رات	آخری حصّہ	صبح

پس یقیناً یہ نورانی وقت ہے، یہی مطلب سورۂ تکویر میں بھی

ہے : اور رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے (۸۱/۱۷-۱۸) اس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ پچھلی رات کی عبادت کیوں ضروری ہے۔

۱۰۔ اگرچہ مرتبۂ قربِ الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے شب و روز کی جملہ عبادات لازمی ہیں، تاہم رات کی بندگی اس سے بھی زیادہ ضروری ہے، اور نورانی وقت کی عبادت تو سب سے زیادہ ضروری ہے، جس کی وجہ صُبحِ ازل ہے، کہ اس میں ایک نور طلوع ہوا تھا، اور ہمیشہ طلوع ہوتا رہتا ہے، کیونکہ ازل کو انتہائی بعید کا ماضی سمجھنا غلط ہے، جبکہ وہ زمانۂ ناگزرندہ ہے، یعنی وہ ٹھہرا ہوا زمان ہے، پس دنیوی صبح کی عبادت صبحِ ازل کے تصوّر اور بھیدوں کو پانے کے لئے ہے، کیونکہ خداشناسی انہی اسرار میں پوشیدہ ہے۔

۱۱۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جب روحانی طور پر معراج ہُوئی تو وہ البتہ رات کے نورانی وقت میں پیش آئی، جس کی خدا نے قسم کھائی ہے، وہ پچھلی رات سے لے کر صبح تک کا وقت ہو سکتا ہے، کیونکہ پُر حکمت اور با برکت وقت یہی ہے، جیسا کہ سورۂ مزّمل میں ارشاد ہے، جس کا نقشہ ذیل کی طرح بنتا ہے :-

(نقشہ اگلے صفحہ پر درج ہے)

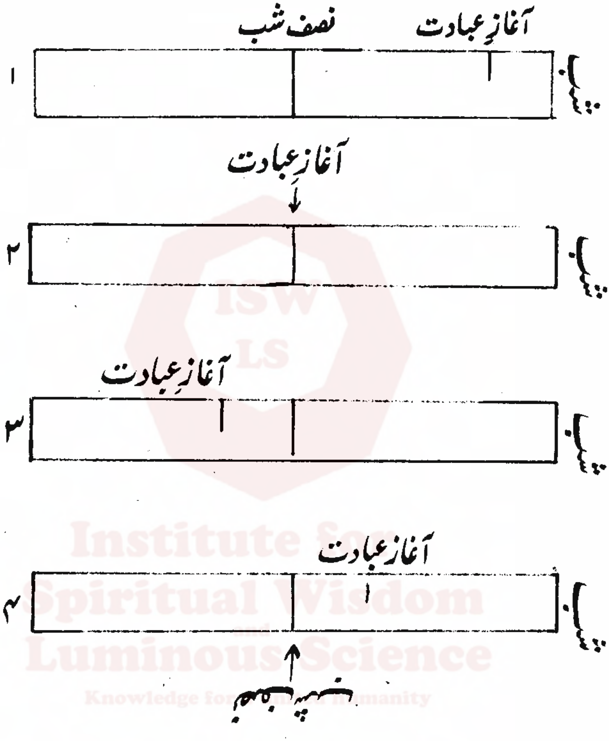

۱۔ تھوڑی دیر سو کر باقی تمام رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد کرنا۔
۲۔ نیم شب سے بندگی کا آغاز کرنا۔
۳۔ آدھی رات کے بعد عبادت شروع کرنا۔
۴۔ نصف شب سے پہلے ذکرِ خداوندی کی ابتدا کرنا (۱۔۴ / ۷۳)

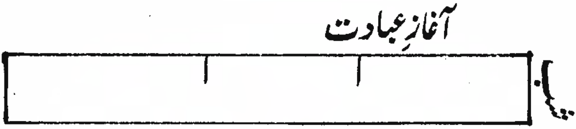

۵

۶

۷

۵۔ رات کی دو تہائی (۲/۳) یادِ خدا میں صرف کرنا۔
۶۔ آدھی رات کو عبادت میں گزارنا۔
۷۔ شب کی ایک تہائی (۱/۳) بندگی کرنا (۷۳:۲۰)

نصیر الدین نصیر ہونزائی
لنڈن
۳۰ اکتوبر ۱۹۸۷ء

عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ

۱۔ قلم اور دوات:۔

سُورۂ قلم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: نٓ وَالقلمِ وما یسطرون (۶۸/۱) قسم ہے نون (یعنی دوات) اور قلم کی اور قسم ہے اُس چیز کی جو لکھتے ہیں۔ پس دوات مقامِ ازل پر نفسِ کُلّ ہے، قلم عقلِ کُلّ، اور وہ چیز جو لکھی جاتی ہے کلمۂ باری ہے، اور مُظاہرۂ عقل کے اشارات ہیں۔

۲۔ عرش و کرسی:۔

پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے: و یحمل عرشَ ربّکَ فوقھم یومئذٍ ثمٰنیۃ (۶۹/۱۷) اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے۔

ان آٹھ فرشتوں سے نفسِ واحدہ مراد ہے، جو کُرسی بھی ہے اور نفسِ کلّی بھی، جس میں آٹھ عظیم فرشتوں کی یگانگت ہے، کیونکہ وہ نورٌ علیٰ نور کے قانون کے مطابق آٹھ بھی ہیں، اور ایک بھی، یعنی حضرتِ آدمؑ، حضرتِ نوحؑ، حضرتِ ابراہیمؑ، حضرتِ موسیٰؑ، حضرتِ عیسیٰؑ، حضرتِ محمدؐ، حضرتِ قائمؑ، اور خلیفۂ قائمؑ۔

۳۔ آدم و حوّا:۔

قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے: خلقکم مّن نّفسٍ واحدۃٍ ثُمَّ جعل منھا زوجھا (۳۹/۶) اسی نے تم سب کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا پھر اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ یہ اوّل عقلِ کُلّ اور نفسِ کُل ہیں، پھر آدم و حوّا ہیں۔

۴۔ مجمع البحرین:۔

دو دریاؤں کے ملنے کا مقام، سنگم، یعنی عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کا مرتبۂ اتّصال، جس میں وہ دونوں گوہر مل کر کام کرتے ہیں اور یہی وہ دو بحرِ محیط ہیں، جن سے سورۂ رحمان (۵۵/۱۹-۲۲) کے ارشاد کے مطابق ہمیشہ علم و حکمت کے موتی اور مونگے نکلتے رہتے ہیں، اور حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام کا وہ قصّہ جو سورۂ کہف (۱۸/۶۰-۸۲) میں ہے، اسی سنگم تک پہنچ جاتا ہے۔

۵۔ قلم اور لوح :-

سُورۂ طور میں ہے : وَالطُّورِ۔ وَكِتٰبٍ مَّسْطُورٍ۔ فِي رَقٍّ مَّنْشُورٍ (۵۲: ۱-۳) پہاڑ کی قسم اور اُس کتاب کی (قسم) جو کُشادہ اوراق میں لکھی ہُوئی ہے۔ پہاڑ یا طور کا مطلب گوہرِ عقل ہے، جو قلم ہے، اور کتابِ مسطور نفسِ کُلّی ہے، جو لوحِ محفوظ ہے، کہ وہ وسیع روحانی اوراق میں ہے۔

۶۔ رحمت اور علم :-

سُورۂ مومن (۴۰: ۷) میں بزبانِ حاملانِ عرش فرمایا گیا ہے: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (۴۰: ۷) پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یعنی کوئی شی رحمت و علم کے بغیر نہیں، پس کائنات اور اس کی تمام چیزیں بحرِ رحمت (نفسِ کلّی) اور بحرِ علم (عقلِ کُلّی) میں ڈوبی ہُوئی ہیں۔

۷۔ ہدایت و رحمت :-

آفتابِ ہدایت عقلِ کُلّ ہے، اور سرچشمۂ رحمت نفسِ کُلّ، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی مُتعدّد آیاتِ کریمہ میں یکجا طور پر ہدایت و رحمت کا تذکرہ آیا ہے، جیسے سُورۂ یوسف کے آخر میں ارشاد ہے:

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ (۱۲/۱۱۱) اور ایمانداروں کے واسطے ہدایت و رحمت ہے۔

۸۔ کتاب و حکمت :-

کتاب و حکمت ہو یا علم و حکمت، اس میں پہلے عقلِ کُلّ کا ذکر ہے، اس کے بعد نفسِ کُلّ کا، اسی طرح علم میں ناطق کی طرف اشارہ ہے، اور حکمت میں اساس کی جانب، اگرچہ یہ دو روحانی اور دو جسمانی فرشتے ایک دوسرے کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔

۹۔ ہدایت اور نور :-

اگر ایک ہی آیۂ کریمہ میں پہلے ہدایت پھر نور کا ذکر ہو، تو ہدایت کا تعلّق عقلِ کُلّ اور ناطق سے ہو گا، اور نور کا لگاؤ نفسِ کُلّ اور اساس سے، چنانچہ توراۃ (۵/۴۴) انجیل (۵/۴۶) اور قرآن (۲۴/۳۵) میں جتنی ہدایات ہیں، وہ سب کی سب نور کی طرف جاتی ہیں۔

۱۰۔ قرآنِ کریم اور کتابِ مکنون :-

باکرامت قرآن کتابِ مکنون یعنی گوہرِ عقل میں پوشیدہ

ہے، اور یہ گوہر نفسِ کُلّی میں پنہان ہے، جس کو صرف وہی حضرات چُھو سکتے ہیں، جن کو خدا نے پاک کر دیا ہے (۵۶/۷۷-۷۹) اور یہی مطلب اِس آیۂ مبارکہ میں بھی ہے: **بل ھو قراٰنٌ مّجیدٌ۔ فی لوحٍ مّحفوظٍ** (۸۵/۲۱-۲۲) بلکہ وہ تو قرآنِ مجید ہے، جو لوحِ محفوظ میں پوشیدہ ہے۔

۱۱۔ چہرۂ خدا:۔

اس کے چہرے کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے (۲۸/۸۸) یعنی کائنات (۲۱/۱۰۴) اور سورج (۸۱/۱) کو لپیٹ لیا جاتا ہے، اور وہ خورشیدِ عقل نفسِ کُلّی (چہرۂ خدا) کے مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور نفسِ کُلّی کا مظہر امامِ مُبین ہے۔

۱۲۔ سِدرۃُ المُنتھیٰ:۔

وہ بیری کا درخت جس پر سفرِ روحانی ختم ہو جاتا ہے، اس سے نفسِ کُلّ مراد ہے، اور یہ درخت جس چیز کو چُھپا رہا تھا، وہ گوہرِ عقل تھا (۵۳/۱۴-۱۶)۔

۱۳۔ درختِ زیتون:۔

زیتون کا وہ مبارک درخت جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی،

بلکہ پوری کائنات پر محیط ہے، اس سے نفسِ کُلّی مراد ہے، اور اس درخت کے تیل سے جو چراغ روشن ہے، وہ عقلِ کُلّی ہے، اور نورٌ علیٰ نور کا مطلب ہے: خورشیدِ عقل کے ایک طلوع کے بعد دوسرا طلوع ہو جانا۔

۱۴۔ قرآن اور انسان:۔

سُورۂ رحمان کے آغاز (۵۵/۱-۲) میں جیسے ارشاد ہوا ہے، اس کے مطابق لفظِ "قرآن" کا اشارہ عقلِ کُلّ کی طرف ہے، اور "انسان" سے نفسِ کُلّ مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عظیم فرشتوں میں سے پہلے کو تنزیل اور دوسرے کو تاویل (بیان) سکھائی ہے۔

۱۵۔ معجزۂ یدِ بیضا:۔

عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ تک عظیم انبیا علیہم السّلام کی رسائی ہُوا کرتی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے معجزۂ علمی کا یہ عالم تھا کہ آپؑ گویا دُرفشانی بھی کرتے تھے، اور ہاتھ میں اُن موتیوں کو اُٹھا کر دکھاتے بھی تھے، اور اس عمل کا نام یدِ بیضا ہے (۲۶/۳۳)۔

۱۶۔ آسمان وزمین کا رتق وفتق :۔

سورۂ انبیا (۲۱/۳۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے : اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ کَانَتَا رَتقًا فَفَتَقنٰھُمَا ط وَجَعَلنَا مِنَ المَاءِ کُلَّ شَیءٍ حَیٍّ (۲۱/۳۰) کہ آسمان اور زمین دونوں باہم ملے ہوئے تھے تو ہم نے دونوں کو الگ کیا، اور ہم ہی نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ یعنی آفتابِ عقل نفسِ کُلّ کے مغرب میں ڈوبا ہوا تھا، وہ وہاں سے بحکمِ خدا طلوع ہو گیا، اور عقلی دنیا کی ہر چیز علم کے پانی سے زندہ ہو جاتی ہے۔

۱۷۔ آٹھ بہشت :۔

عقلِ کُلّی عرش ہے، اور نفسِ کُلّی حاملِ عرش، مگر وہ آٹھ عظیم فرشتوں کا مجموعہ ہے، اس معنیٰ میں حاملانِ عرش آٹھ ہیں، اور یہی آٹھ فرشتے آٹھ بہشت بھی ہیں، یعنی چھ ناطقؑ، جن میں تمام انبیاؑ جمع ہیں، حضرتِ قائمؑ جن کی ذات میں سارے ائمہؑ ایک ہیں، اور خلیفۂ قائم، یہ آٹھ بہشت ہیں، اور بہشت سب سے بڑی روح اور سب سے بڑی عقل کے ساتھ ہے۔

۱۸۔ خلافتِ معنوی :۔

سورۂ نور کی آیتِ استخلاف (۲۴/۵۵) میں دقّتِ نظر اور چشمِ

بصیرت سے دیکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ خلافت کون سی ہے؟ اور وہ زمین کون سی ہے، جس پر یک وقت بہت سارے نیکوکار مومنین کو خلافت عطا ہو گی؟ کیا یہی ایک زمین ہے جس پر لوگ بس رہے ہیں؟ نہیں، زمینیں تو بہت سی ہیں، کیونکہ ہر آدمی ایک عالمِ شخصی ہے، جس میں بحدِّ قوّت سب سے بڑا آسمان عقلِ کلّی ہے، اور سب سے وسیع زمین نفسِ کلّی (۷/۹۴، ۲۹/۵۶، ۳۹/۱۰)۔

۱۹۔ خلافتِ آدمؑ :-

حضرتِ آدم علیہ السّلام کی خلافتِ معنوی نفسِ کلّ میں چلتی تھی، اور خلافتِ صوری سیّارۂ زمین پر، اور وہ اسی مرتبۂ اعلیٰ میں فرشتوں کو حقائقِ اشیاء کی تعلیم دیتے تھے، یاد رہے کہ خلیفۂ خدا میں تمام صفات و کمالات موجود ہُوا کرتے ہیں۔

۲۰۔ امام اور امامت :-

قرآنِ حکیم میں لفظِ خلیفہ کا دوسرا ہم معنی اسم "اِمام" ہے، جس کی جامعیّت کے بارے میں کتاب "امام شناسی" میں لکھا گیا ہے، تاہم یہاں اس سلسلے کی دو شہادتیں ضروری

ہیں : اوّل یہ کہ امام کا تذکرہ قلبِ قرآن (سُورۂ یاسین) میں ہُوا ہے، یا یُوں سمجھ لیں کہ جس سُورے میں کُلیۃً امامت کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا نام اسی وجہ سے قلبِ قرآن ہُوا، اور لفظِ امام کی انتہائی جامعیّت کی دوسری شہادت یہ کُلیّہ ہے : وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۳۶/۱۲) اور ہم نے ہر چیز کو ایک صریح و روشن پیشوا میں گھیر دیا ہے۔ گھیرنے کے معنی خود قرآنِ حکیم کے مطابق یہ ہیں :۔

آسمانوں اور زمین کو لپیٹنا (۲۱/۱۰۴، ۳۹/۶۷) دونوں جہان کی قدروں اور قیمتوں کو یکجا کرکے خزانہ بنانا (۱۵/۲۱) جُملۂ کائنات و موجودات کو ایک عظیم درختِ زیتون کی صورت دے کر اس کے تیل سے ایک چراغ کو روشن کر دینا (۲۴/۳۵) امامِ اطہرؑ کے عالمِ شخصی میں کائناتِ اکبر کی لطیف صورت کو سما دینا (۵۱/۲۰-۲۱) امامِ برحقؑ کو آفاقی نامۂ اعمال بنا دینا (۴۵/۲۸-۲۹) امامِ اقدسؑ کو عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، اور لطیف جسمِ کُلّ کا درجہ دینا وغیرہ۔

نوٹ : زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے متعلّقہ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں مقالات کو پڑھیں۔

نصیر الدّین نصیر ہونزائی

لنڈن

۲ر نومبر ۱۹۸۷ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

عظمتِ قرآن اور حقائقِ ازل و ابد

۱۔ قرآنِ حکیم کی ازلی و ابدی عظمت و بزرگی اور مجد و کرامت کا ایک روشن ثبوت اس کا وہ کائناتی احاطۂ علمی ہے، جس کے حکیمانہ بیان سے کوئی چیز باہر نہیں رہ سکتی، یہاں تک کہ ازل و ابد کے جملہ حقائق و معارف بھی اس دائرۂ ہمہ گیر میں محدود ہو جاتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶/۸۹)، اور ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے۔

۲۔ قرآنِ پاک قولِ خدا ہے، اور آفاق و انفس (یعنی دُنیائے ظاہر اور عالمِ شخصی ۴۱/۳) فعلِ خدا، یقیناً جیسا اس کا قول ہے، ایسا ہی اس کا فعل بھی ہے، کیونکہ یہ امر محال و ناممکن ہے کہ خدائے دانا و بینا کے کلام اور کام کے درمیان تضاد واقع ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن جو کچھ تحریر میں فرماتا ہے، آفرینش وہی زبانِ حال سے کہتی ہے، پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآنی حقیقتوں اور معرفتوں کی عملی اور روشن شہادتیں آفاق میں بھی ہیں،

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

عوام چشمِ ظاہر سے دیکھتے ہیں، اور دوسرا خاص، جو اہلِ بصیرت کے سامنے ہے، اسی طرح عالمِ شخصی کے بھی دو مرحلے ہوتے ہیں، مرحلۂ اوّل پردہ شب تاریک کی طرح ہوتا ہے، اور مرحلۂ اور انفس میں بھی، جیسے قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: وَفِی الارضِ اٰیٰتٌ لِّلمُوقنین (۵۱/۲۰) وَفِیٓ انفسکم ط افلا تُبصرون (۵۱/۲۱) اور اہلِ یقین کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں، اور خود تم میں بھی ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں۔

۳۔ قرآنِ کریم کا واضح مفہوم ہے کہ دینِ اسلام میں مِن عِندِ اللّٰہ (خدا کی طرف سے) نور بھی ہے اور کتاب (قرآن) بھی (۵/۱۵) اور جس طرح کتاب ہمیشہ کے لئے موجود ہے، اسی طرح نور بھی ایسا ہے، کہ اس کو کوئی نہیں بجھا سکتا (۹/۳۲، ۶۱/۸) اس حقیقت کی تصدیق آفاق سے یوں ہوتی ہے کہ آفتاب، ماہتاب، اور ستارے عالمِ ظاہر کے لئے نور ہیں، اور کائنات ایک کتاب ہے، اور عالمِ شخصی کی شہادت یہ ہے کہ عقل سورج کی طرح، روح چاند جیسی اور حواسِ باطن اپنی بے شمار شاخوں کے ساتھ ستاروں کی طرح انوار ہیں، اور عالمِ شخصی ایک کتاب ہے، پس معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک کی ہر حقیقت کی صداقت پر عالمِ ظاہر اور عالمِ نفسی سے دو شہادتیں ملتی ہیں۔

۴۔ مُشاہدۂ آفاق کے دو پہلو ہیں، ایک عام ہے، جیسے

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

دُوُم پر روزِ روشن جیسا، کیونکہ اُس وقت اس میں آفتابِ معرفت طلوع ہو چکا ہوتا ہے، جس کی روشنی میں بحکمِ خدا عالمِ شخصی کے عرفانی عجائب وغرائب کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

۵۔ قرآنِ حکیم اہلِ ایمان کے لئے ہدایت ورحمت ہے، وہ اسرارِ علم وحکمت سے مملو ہے، وہ ہرگونہ مسائل پر روشنی ڈالتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اس بےنظیر کتاب میں ہر جگہ ازل وابد کے اشارے اور تذکرے ملتے ہیں، خصوصاً اس انمول خزانے کا بیان اُن بابرکت آیات میں نمایاں ہے، جو کلمۂ کُن (یعنی ہو جا) سے متعلق ہیں، کیونکہ کلمۂ امر میں اِبداع واِنبعاث کا ذکر ہے، اور ازل وابد کا یکجا تصوّر بھی اسی مقام پر ہے۔

۶۔ یاد رہے کہ جب خدا، اور اس کے قول وفعل کی معرفت اور کہیں نہیں صرف روحِ انسانی ہی میں پائی جاتی ہے، تو پھر یقین کرنا ہوگا کہ مظاہرۂ ازل اور نمونۂ ابد بھی عالمِ شخصی ہی میں پنہان ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: بدیع السمٰوٰت وَالارض ط واذا قضیٰ امراً فانما یقول لہٗ کُن فیکونَ (۲: ۱۱۷) (وہی) آسمان وزمین کا موجد ہے، اور جب کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا" پس وہ ہو جاتا ہے۔ اس ربّانی اور نورانی تعلیم میں خوب غور کیجئے، تاکہ آپ کو یہ عظیم بھید معلوم ہو جائے کہ تصوّرِ آفرینش دائرے کی شکل میں ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ عالمِ کبیر اور عالمِ صغیر کے آغاز میں بھی اور انجام میں بھی کُن فرماتا ہے، اور چونکہ ہر انسان ایک عالمِ شخصی ہے، اس لئے بحدِّ فعل یا بحدِّ قوّت اُس پر کُن کا اطلاق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہر شخص کی روح میں کلمۂ کُن، اور ازل و ابد پوشیدہ ہے۔

۷۔ سُورۂ انعام (۶/۷۳) میں غور کریں: وَھُوَ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَ یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ط قَوْلُہُ الْحَقُّ (۶/۷۳) وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے حق (یعنی کلمۂ کُن) سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس دن (عالم کو) کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے اس کا قول (کلمۂ کُن) حق ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر بندۂ فرمانبردار کے لئے کلمۂ امر (کُن) سے ایک عالمِ شخصی بنایا جاتا ہے، جس میں جہانِ ظاہر مجموعاً سمایا ہوا ہوتا ہے، اور اسی طرح اگر جسمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو لوگوں کی ازلیں (آزال) اور ابدیں (آباد) الگ الگ ہُوا کرتی ہیں، لیکن، چونکہ مقامِ روحانیت اور مرتبۂ کُن پر قبضۂ قدرت میں تمام چیزیں ایک ہو جاتی ہیں، لہٰذا وہاں صرف ایک ہی ازل ہے، جس میں ابد بھی ہے۔

۸۔ قرآنِ مجید میں اللہ کی عادت (سُنّت) کا موضوع بہت بڑی اہمیّت کا حامل ہے، خدا کی عادت کسی تبدیلی کے بغیر (۳۵/۴۳) انبیائے کرام اور ائمّۂ عظام کے عوالمِ شخصی میں ظہور پذیر ہوتی چلی

آئی ہے (۴/۸۵)، اور اس میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ تبارک وتعالیٰ تخلیقِ جسمانی کے بعد تکمیلِ روحانی کے لئے "کُن" فرماتا ہے، جیسے حضرتِ آدم اور حضرتِ عیسیٰ علیہما السّلام کے بارے میں سورۂ آلِ عمران (۳/۵۹) میں ارشاد ہوا ہے، کہ ان دونوں عظیم پیغمبروں کو کلمۂ امر اور مرتبۂ ازل نے جو ان کے باطن میں تھا ایک کر لیا تھا، اگرچہ ظاہراً ان کے درمیان ایک بہت بڑی زمانی مسافت حائل تھی، یہی مثال تمام انبیاء وائمّہ علیہم السّلام کے لئے بھی ہے، اور پھر درجہ بدرجہ سب انسانوں کے لئے بھی۔

۹۔ جب پانی کا کوئی قطرہ دریا میں جا گرتا ہے، تو اس کے کم از کم تین معنی ہوتے ہیں :

الف : قطرہ دریا میں فنا ہو گیا، کیونکہ اب اس کا اپنا کوئی نام و نشان نظر نہیں آتا ہے،

ب : قطرہ دریا سے واصل ہو کر دریا بن گیا، اور اب قطرہ اپنی انائے عُلوی میں موجود ہے،

ج : قطرہ کیا تھا ؟ دریا ہی کا ایک ظہور، اگر قطرہ دریا سے مل گیا، تو دراصل اس عمل میں دریا نے اپنی جلوہ نمائی کی ایک دُنیا مکمّل کر لی۔

۱۰۔ میرا خیال ہے کہ مذکورۂ بالا مثال قانونِ وجود کی ایک گونہ

تشریح ہے، لہٰذا آئیے، اب ہم ایک قرآنی خزانے کی طرف چلتے ہیں، جو سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: کیونکر تم خدا کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم مرے ہوئے تھے تو اسی نے تم کو زندہ کیا (۲/۲۸) اس کا مطلب ہے کہ لوگ ازل میں بحالتِ موت تھے، لیکن یہ سوال ضروری ہے کہ وہ موت کس نوعیّت کی تھی؟ اس کا جواب قرآنِ حکیم میں پہلے ہی سے کئی طرح سے دیا گیا ہے، چنانچہ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ وہ موت بے نام ونشان ہونے کی تھی، یعنی قطرۂ روح نفسِ واحدہ کے سمندر میں موجود تو تھا، مگر اس کا کوئی تذکرہ، کوئی تعیُّن، اور کوئی اپنا نام نہ تھا، جس طرح سورۂ دہر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

ھل اتیٰ علی الانسانِ حینٌ مّن الدّھرِ لم یکن شیئاً مّذکوراً (۷۶/۱) کیا انسان پر دہر (یعنی زمانِ ناگزرندہ) میں سے وہ وقت (دوبارہ) آچکا ہے جس میں کہ وہ کوئی چیز قابلِ ذکر نہ تھا۔ پس اس میں دائرۂ آفرینش کی لاابتدائی اور لاانتہائی کا ذکر موجود ہے، آپ نکتہ ۹ کو غور سے دیکھ لیجئے۔

۱۱۔ خدائے علیم وحکیم اپنی جس پُرحکمت کائنات کی آیاتِ قدرت وصنعت میں فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے (۲/۱۶۴، ۳/۱۹۱) اُس کائنات کی تمام چھوٹی بڑی آیات سب کی سب مل کر ایک ایسے دائرے کا تصوّر پیش کرتی ہیں کہ اس کا کوئی سرا نہیں، یعنی آسمان

اور اجرامِ فلکی نہ فقط شکل ہی میں مدّور (گول) ہیں، بلکہ ان کی دائمی حرکت بھی مُستدیر یعنی دائرہ نُما ہے، زمین اوّل خود گول ہے، پھر اس کی روزانہ گردش اور سالانہ گردش گول ہے، اس پر روز و شب کا تبادلہ، مہینوں، موسموں اور سالوں کا آنا جانا، پانی اور ہوا کا خول اور حرکت و گردش سب گول ہے، غرض دُنیائے ظاہر میں کوئی ایسی چیز نہیں، جو اپنے مخصوص دائرے پر ہمیشہ روان دوان نہ ہو، چنانچہ قرآنِ کریم اسی قانونِ کُلّ کی تصدیق کرتا ہے (۲۱/۳۳، ۳۶/۴۰) پس کائنات بھر کے دائرے متّحد اور ہم آہنگ ہو کر زبانِ حال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ دائرۂ آفرینش دائمی گول ہے، جس کی نہ تو کوئی ابتدا ہے اور نہ ہی کوئی انتہا، یہ دائرۂ عالمِ خلق اور عالمِ امر کو اس طرح ملا لیتا ہے کہ ان دونوں میں زمانی اعتبار سے کوئی تقدیم و تاخیر نہیں، کیونکہ دونوں کا نام مُلکِ خدا (یعنی اللہ کی بادشاہی) ہے، اور خدا کی بادشاہی قدیم ہے۔

۱۲۔ آسمان کی گردشِ مُستدیر جو کائنات کی سب سے بڑی آیت ہے، جس میں روزِ ازل سے سُنّتِ الٰہی کی کارفرمائی چل رہی ہے، وہ ہر وقت بہ اشارۂ حکمت کہتی رہتی ہے کہ اے اہلِ بصیرت! ازل کا تصوّر کرو، کیونکہ اسی مقام پر جو سب سے اعلیٰ ہے اسرارِ خداوندی کا گنجِ مخفی موجود ہے اور وہیں پر یہ بھید کُھل جاتا ہے کہ ہر چیز کا سفر ایک دائرے پر کیوں ہے۔

۱۳۔ حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے جامۂ مبارک میں نورِ امامت نے ایک بہت بڑی علمی قیامت برپا کر دی ہے، اس کا مقصد دُنیا میں اسلام کے حقیقی علم کو پھیلانا ہے، اگر علم کو ہمیشہ کے لئے چھپانا اور کسی کو نہ بتانا مقصود ہوتا، تو مولائے مہربان جو مظہرِ نورِ خدا ہیں، ظاہراً و باطناً علم کے دروازوں پر ایسے سخت تالے لگا دیتے کہ کوئی ان کو نہیں کھول سکتا۔

۱۴۔ کیا آپ نے امامِ عالیمقامؑ کے ارشادات میں "تصوّرِ آفرینش" کی وضاحت کو نہیں دیکھا ہے اور نہیں پڑھا ہے؟ وہ بہت ضروری ہے، انتہائی ضروری، کیونکہ وہ ایک ایسا ازلی اور اوّلین تصوّر ہے کہ اسی کو اصل واساس قرار دے کر ہزاروں فروعی تصوّرات کئے جاتے ہیں، پس اگر کوئی شخص اس اہم ترین مقام کے بارے میں غلط تصوّر کر بیٹھتا ہے تو آپ اندازہ کریں کہ ذیلی تصوّرات و تفکّرات میں کتنی ساری غلطیاں ہوں گی، چنانچہ آپ کی دانشمندی اسی میں ہوگی، کہ آپ ہر شئے کو بنیاد ہی سے سمجھنے کی کوشش کریں، خصوصاً تصوّرِ آفرینش کو، جس کا تعلق سُنّتِ ازل سے ہے۔

۱۵۔ سورۂ آلِ عمران (۳: ۲۶-۲۷) میں علمی و عرفانی عجائب و غرائب کا ایک عظیم الشّان نہ ختم ہونے والا خزانہ موجود ہے، آپ اِس گنجِ سماوی کو

لفظاً و معناً ہمیشہ کے لئے اپنائے ہوئے رکھیں، یعنی آپ اس کی گہری حکمتوں کو سمجھتے ہوئے بطورِ دعا پڑھا کریں، جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں جہان (عالمِ خلق اور عالمِ امر) کسی تقدیم و تاخیر کے بغیر ہر وقت ایک دوسرے سے موجود ہوتے رہتے ہیں، جس کی مثال نقشۂ ذیل سے ظاہر ہے:-

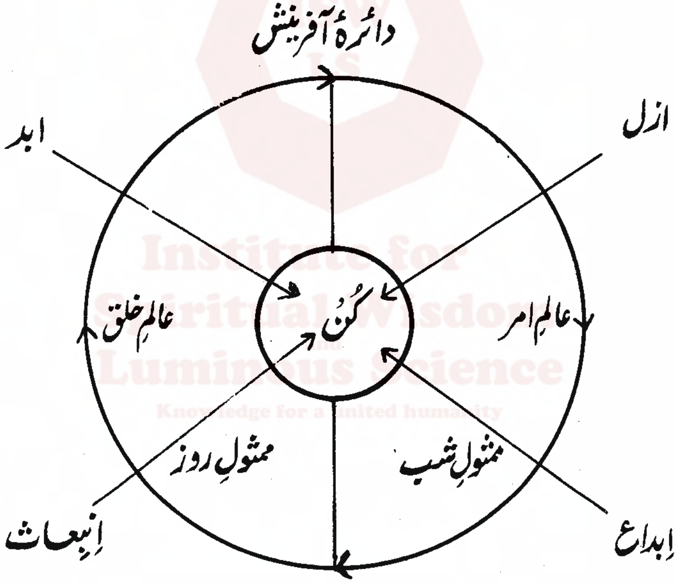

١٦- یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ کسی ازل میں خالقِ اکبر مخلوق کے بغیر ہو، ربّ ہو، مگر مربوب نہ ہو، وہ رازق کہلائے، لیکن مرزوق کا نام و نشان نہ ملے، ذاتِ قدیم کی صفات حادث ہوں،

ایسا نہیں، بلکہ خدا ہر اعتبار سے قدیم ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے قول و فعل میں حُدُوث نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ اس کا کلام یا کام نیا ہو، اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اس کا قول یعنی کلمۂ امر اور نتیجۂ امر دونوں قدیم ہیں، مگر وہ قدیم چیزوں کو جدید شکل وصورت میں پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے (لفظِ جدید قرآن کے آٹھ مقامات پر ہے) جیسے موسمِ بہار کوئی نئی چیز ہے نہیں، لیکن ہر سال یہی پُرانی بہار جدّت و تازگی کی بے شمار مسرتیں لے کر آتی ہے، جس کے دلکش نظّاروں کو سب لوگ بڑے شوق سے دیکھنا چاہتے ہیں، اسی طرح خدائے بزرگ و برتر ہمیشہ اپنی قدیم بادشاہی میں نئے نئے لوگوں کو پیدا کر کے ان کے باطن میں جدید کائناتیں بنا دیتا ہے، تاکہ اس صورت میں بشرطِ اطاعت ہر شخص کو ایک بھرپور کائنات کی سلطنت عطا کر دی جائے، اس بیدریغ، عظیم اور بے مثال انعام کے سوا اس کی بے پایاں رحمت کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا تھا (۱۴/۴۴)۔

۱۷۔ اب دائرۂ آفرینش کو غور سے دیکھئے، کہ یہ عالمِ خلق اور عالمِ امر (۷/۵۴) دونوں کو ظاہر کرتا ہے، چنانچہ اِس مثال کے مطابق دونوں جہان ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں، جب آپ پرکار سے دائرہ کھینچنے لگتے ہیں، تو اس کا سِرا ضرور ہوتا ہے، مگر جوں ہی دائرہ مکمل ہو جاتا ہے، تو اس کا انتہائی سِرا

جاکر ابتدائی سرے میں گم ہو جاتا ہے، اسی طرح ہر وہ مومن جو پیدا ہو کر راہِ مُستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے، تو اُس حال میں وہ اپنی زندگی کے متعلق محدود خیالات رکھتا ہے، لیکن جب وہ اپنی روح کو دیکھتا ہے اور اپنے پروردگار کو پہچانتا ہے، تو وہ انسانی زندگی کی لاانتہا ترقی کو ایک دائرے پر ہمیشہ کے لئے رواں دواں پاتا ہے۔

۱۸۔ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں رات کا تذکرہ ہُوا ہے، وہ عالمِ امر کی مثال ہے، اور عالمِ امر ممثولِ شب ہے، اسی طرح دن عالمِ خلق کی مثال ہے، اور عالمِ خلق ممثولِ روز ہے، چنانچہ رات کو دن میں، اور دن کو رات میں داخل کرنے (۳/۲۷) کے معنی یہ ہیں کہ خدا ہمیشہ عالمِ لطیف کو مادّی صورت دے کر یہاں لاتا ہے، اور عالمِ کثیف کو مجرّد بنا کر وہاں لے جاتا ہے، پس اسی قانون کے مطابق بیک وقت دنیا و آخرت ایک دوسرے سے پیدا ہوتی رہتی ہیں، مثال کے طور پر جب تک کوئی مومن پیدا نہیں ہوتا، تب تک اس کی انفرادی دُنیا کا وجود نہیں بنتا، اور نہ ہی اس کی ذاتی جنّت تیار کی جاتی ہے، لیکن جس وقت وہ یہاں آکر نیک اعمال کو انجام دیتا ہے، تو انہی اچھے کاموں سے ایک طرف اس کی دُنیا بنتی ہے اور دوسری طرف قدیم بہشت میں اس کے لئے ایک مخصوص نئی جنّتِ اعمال تیار

ہو جاتی ہے۔

نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی
لنڈن۔ یو۔ کے۔
۱۰، نومبر ۱۹۸۷ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کُنُوزِ قُرآن

۱۔ خزانے کی تعریف :۔

دنیائے ظاہر کا کنز (جس کی جمع کُنُوز ہے) یا خزانہ اس جگہ کا نام ہے، جہاں کسی بادشاہ یا حکومت کے سِکّۂ رائج الوقت کا بہت بڑا ڈھیر ہو، مملکت بھر کا سونا، چاندی اور انمول جواہر جمع ہوں، اور عصرِ حاضر کے اعتبار سے اس میں امیروں کی دولت بھی امانت ہو تو وہ شاہی خزانہ یا بینک کہلاتا ہے، اس کے برعکس خزانۂ خداوندی کتابی شکل میں ہوتا ہے، یعنی قرآنِ کریم، نیز یہ ایک نورِ گویندہ ہُوا کرتا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان خزانوں میں جو چیزیں ہیں، وہ دُنیوی زر وگوہر کے ڈھیروں سے بدرجہا گرانمایہ ہوتی ہیں، جی ہاں، یہ حقیقت ہے، اور اس میں ذرّہ بھر شک وشُبہ

نہیں کہ خدا کے خزانے ہیں، اور ان میں بھی اپنی نوعیّت کا دینی اور روحانی سکّۂ رائج الوقت ہے، جس سے وہ حقائق و معارف مراد ہیں، جو امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کی اطاعت و معرفت کے بارے میں ہیں، پھر آسمانی سیم و زر ہے، یعنی علم و حکمت؛ اور روحانی لعل و گوہر ہیں، یعنی اسرارِ معرفت۔

۲۔ قانونِ خزائن:۔

سُورۂ حِجر (۱۵/۲۱) میں خوب دل جمعی سے غور و فکر کیا جائے:
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵/۲۱) اور کوئی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اس چیز کو نازل نہیں کرتے ہیں مگر بقدرِ علم و عمل) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا یہ قانون آفتابِ عالمتاب سے بھی زیادہ روشن ہے کہ تمام عقلی، فکری، علمی، عرفانی، روحانی اور لطیف جسمانی چیزیں سب کی سب خزائنِ خداوندی میں ہیں، وہ یوں نازل نہیں ہوتیں، بلکہ مشروط ہیں، وہ ایک دن میں نہیں، بلکہ بتدریج آسکتی ہیں، جیسے نفوسِ خلائق، رزق، بخت، دولت، علم، ہنر، ایجاد، انکشاف، سائنس وغیرہ کی مثال ہے، چونکہ "عِندنا (ہمارے پاس)" کا مطلب مکانی اور جغرافیائی نہیں، بلکہ اس سے عندیتِ شرفی مراد ہے، لہٰذا یہ خزائن قرآنِ حکیم اور اسکے ربّانی معلّم میں ہو سکتے

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

ہیں، کیونکہ اِس جہانِ ظاہر میں یہی دو مبارک و مقدّس چیزیں ہیں، جن کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی قربت و عندیت کا درجہ حاصل ہے، جبکہ ایک کامل نور ہے (۱۵/۵) اور دوسری مکمّل کتاب (۱۵/۵)، جبکہ یہ دونوں چیزیں خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، اور رسولؐ کی نمائندگی کرتی ہیں۔

۳- نوحؑ خزانۂ خدا :-

حضرتِ نوح علیہ السّلام اپنے وقت میں خزانۂ خدا تھے، وہ اِس طرح کہ اُن کے زمانے میں طوفانِ ظاہر کے پس منظر میں ایک روحانی طوفان بھی برپا ہونے والا تھا، جسکی زد میں آکر عقلؑ، روحؑ اور جسمِ لطیف کے تمام ذرّات ہلاک ہو سکتے تھے، اِس لئے پروردگارِ عالم کے حضور سے حضرتِ نوحؑ کو حکم ہُوا کہ ذرّاتی کائنات کی تمام مختلف چیزوں میں سے ایک ایک جوڑا اپنی شخصیت کی کشتی میں لے لو (۱۱/۴۰، ۲۳/۲۷)، پس حضرتِ نوحؑ کے اندر سے ایک ندائے قیامت بلند ہوئی، جس کو سُن کر تمام ذرّاتِ روح آپؑ میں جمع ہو گئے، اور اسی طرح آپؑ خزانۂ الٰہی ہو گئے، اور یہی مرتبت جملہ انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام کو حاصل ہے۔

۴- خزانۂ نور :-

جس طرح کسی مملکت کے سارے اداروں اور عوام کا مالی

اور معاشی نظام خزانہ یعنی بینک کے ذریعہ چلتا ہے، اسی طرح نظامِ شمسی (کائنات) کا دارومدار سورج پر ہے، کیونکہ سورج جو روشنی اور طاقت کا بے پایان خزانہ ہے، وہ بے دریغ خرچ ہو رہا ہے، جس کے بغیر دُنیا مادّی طور پر زندہ نہیں رہ سکتی، پس یہ روشن مثال امامِ زمان علیہ السّلام کے لئے ہے کہ آپؑ کا نورِ اقدس عالمِ دین اور دُنیائے بشریّت کے واسطے خزانۂ خدا کی مرتبت میں صرف ہوتا رہتا ہے، درحالیکہ اہلِ معرفت کے سوا کوئی شخص اِس رازِ خداوندی کو نہیں جانتا۔

۵۔ خزینہ دار:۔

اگرچہ قرآنِ حکیم کی ہر آیۂ کریمہ کی ایک تاویل ہے، بلکہ کئی تاویلیں ہیں، تاہم سورۂ یوسف تاویل کا موضوعِ خاص ہے، اس لئے ہمیں غور کرنا اور دیکھنا ہوگا کہ آیا حضرتِ یوسف علیہ السّلام صرف مِصر کے خزینہ دار تھے، یا رُوئے زمین کے تمام خزائن پر مقرّر تھے (۱۲:۵۵)؟ حالانکہ حضرات انبیا و ائمّہ علیہم السّلام کو خدا کی جانب سے زمین کی خلافت عطا ہوتی ہے، اور اگر خزائنِ ارضی بھی انہی حضرات کے پاس ہوں، تو اس میں کیا تعجب ہو سکتا ہے، جیسا کہ آیۂ مبارکہ (۱۲:۵۵) میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

۶۔ آسمان وزمین کے خزائن :۔

ارشاد فرمایا گیا ہے : وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ والارضِ (۶۳/۷) اور سارے آسمان اور زمین کے خزانے خدا ہی کے ہیں۔ سماوات سے عقلِ کُلّ کے مراتب مراد ہیں، اور ارض کا مطلب نفسِ کُلّ ہے، یہ عالمِ روحانی کے آسمان وزمین ہیں، اور اسی طرح عالمِ جسمانی کے آسمان ناطقؑ ہیں، اور زمین اساسؑ، جبکہ ناطقؑ مظہرِ عقلِ کُلّ ہیں، اور اساسؑ مظہرِ نفسِ کُلّ، پس انہی معنوں میں آسمان وزمین امام اور وارثِ امامت ہیں۔

۷۔ بہشت کا ایک خزانہ :۔

حکیم پیر ناصر خسروؒ قدس کی شہرۂ آفاق کتاب "وجہِ دین" کی آخری گفتار ۵۱ میں "لاحَولَ وَلا قُوَّۃَ اِلّاَ باللّٰہِ العلیِّ العظیم" کے بارے میں تحریر ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کنزٌ مِن کُنوزِ الجنّۃِ ...... یعنی مذکورہ قول بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اِس حدیثِ شریف کی چند حکمتیں اِس طرح ہیں : الف : چونکہ "لاحَولَ" بحکمِ حدیث جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، لہٰذا قرآنِ حکیم میں ایسے بہت سے خزانے ہیں۔ ب : بہشت کے خزائن عقلی، علمی، عرفانی اور روحانی ہُوا

کرتے ہیں، جن کا ایک پہلو دنیا میں ہے اور دوسرا جنّت میں۔ ج: آیاتِ کریمہ، کلماتِ تامّہ، اور اسماء الحسنیٰ میں خدا کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ د: لاحَوُلُ کے بارے میں کوئی شخص کچھ نہیں جانتا تھا، لیکن اس خزانے کی کنجی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے عنایت کر دی، اِس مثال سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نہ صرف خزانے ہیں، بلکہ اس کے خزانہ دار بھی ہیں۔

۸۔ وہّاب کی حکمت :۔

خداوندِ بخشندہ و مہربان کا ارشاد ہے: اَم عِندھُم خزائِنُ رحمۃِ ربّکَ العزیزِ الوھّاب (۳۸/۹) یا اے رسولؐ تمہارے زبردست فیّاض پروردگار کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں۔ اس قرآنی تعلیم میں اِسم وہّاب کی دو حکمتیں موجود ہیں، ایک یہ کہ اللہ اپنے خزانوں میں سے چیزیں دیتا ہے، اور دوسری حکمت یہ کہ وہ جن کو چاہے خزانے ہی خزانے عطا کر دیتا ہے، کیونکہ خدا کے خزانے یہاں "العزیز الوھّاب" کے تحت مذکور ہیں۔

۹۔ ایک سوال :۔

کیا رسولِ اکرمؐ کے پاس خدا کے دئے ہوئے خزائن تھے؟ آیا حضورؐ غیب کی باتیں جانتے تھے؟ کیا آنحضرت فرشتہ تھے (۶/۵۰،

۱۱/۱۳) ؟ جی ہاں، حضرتِ خاتمِ انبیا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس اللہ کے عطاکردہ خزانے تھے، اس کا ثبوت خزائنِ قرآن ہیں، آپؐ بذریعۂ وحی غیب کی چیزیں جانتے تھے (۷۲/۲۶-۲۷) اور قرآنِ کریم میں جو کچھ ہے وہ سب غیب ہی سے تو ہے، اور حضورِ انورؐ باعتبارِ جسمانیّت بشر، مگر بلحاظِ روحِ پاک مَلک (فرشتہ) تھے، جس کی دلیل واقعۂ معراج ہے، تاہم دعوتِ اسلام کے دَوران افشائے راز مقصود نہ تھا۔

۱۰۔ گنجِ مخفی :۔

حدیثِ قُدسی کا یہ ارشاد عجیب و غریب حکمتوں کا حامل ہے:

کُنتُ کنزاً مخفیّاً فاحببتُ اَن اُعرِفَ فخلقتُ الخلق۔

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا سو میں نے چاہا کہ میری شناخت ہو تو میں نے خلق کو خلق کیا۔ یعنی جسمانی کو روحانی بنا دیا، کیونکہ یہاں خلق کا لفظ دو دفعہ آیا ہے، جس میں صرف روحانی تخلیق کا ذکر ہے، کائناتِ ظاہر اور جسمِ انسانی کی پیدائش کا تذکرہ نہیں، اب یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پروردگار کہاں اور کس حجاب کے پیچھے پوشیدہ تھا، جب سب سے بڑے خزانے (یعنی خدا) کی معرفت حاصل ہوئی، تو پھر دوسرے تمام خزانوں کے بارے میں کیا ہُوا؟ اور یہ بتائیں کہ ربّ العزت کن معنوں میں خزانہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے وہ اپنے پروردگار کو پہچانتا ہے، اسی دلیل سے یہ کہنا حقیقت

ہے کہ خدا کا مبارک دیدار عالمِ شخصی میں حجابِ خودی کے پیچھے پوشیدہ ہے، قانون یہی ہے کہ تمام خزانوں کی مرکزیّت ہو، اور وہ سارے خزانوں کا مالک اس معنیٰ میں گنجِ ازل ہے کہ تمہاری انائے عُلوی بس وہی ہے لیکن اس کا دارومدار تمہارے علم و عمل پر ہے۔

۱۱۔ امامِ مبینؑ :۔

آپ ذرا لفظِ کنز کا لغوی تجزیہ کر کے دیکھ لیں، دراصل کنز (اکٹھا کرنا، ذخیرہ کرنا) مصدر ہے، لیکن مفعول کے معنی میں مستعمل ہے، جیسا کہ قرآن (۹/۳۴) میں ہے: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں کنز اور خزائن کی بہت سی مثالیں ہیں، جیسے کائنات کو لپیٹنا (۲۱/۱۰۴، ۳۹/۶۷) سورج کو لپیٹنا (۸۱/۱) ہر چیز کا ملکوت (۳۶/۸۳) مُلک (۶۷/۱) بے شمار چیزوں کو عددِ واحد میں جمع کر دینا (۷۲/۲۸) ہر چیز کو ایک کتاب میں محدود کرنا (۷۸/۲۹) اور ہر چیز کو امامِ مُبین میں گھیر لینا (۳۶/۱۲)، ان ساری مثالوں میں کنزِ ازل کی گہری حکمتیں موجود ہیں۔

ازل کے تصوّر یا معرفت میں وہ سارا علم بصورتِ کنز یکجا ہو جاتا ہے، جو کائنات و موجودات میں بکھرا ہوا ہے (۶/۸۰)، پس قرآنِ حکیم نے یا تو اُس مقام کی تشبیہ و تمثیل خزانے سے دی ہے، یا کہا ہے کہ دیکھو یہاں تمہارے لئے سب کچھ موجود

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

ہے ، اللہ تعالیٰ جملہ اہلِ ایمان کو کنُوزِ قرآن کی معرفت عطا فرمائے!

نصیر الدّین نصیرؔ۔ ہونزائی
لنڈن
۱۳ر نومبر ۱۹۸۷ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

تصوّرِ ازل اور سُنّتِ الٰہی

۱۔ یہاں سب سے پہلے سُنّتِ الٰہی کی وضاحت از حد ضروری ہے، کیونکہ اس کی اصل معرفت میں کئی انقلابی تصوّرات کی کلیدیں پوشیدہ ہیں، چُنانچہ سُنّت کے معنی ہیں: عادت، راہ، رسم، دستور، طریقۂ جاریہ، دستورِ حکمت، اور قانونِ قدرت، جیسے سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا ہے: سُنّۃَ اللّٰہِ فِی الّذِین خلوا مِن قبل ط وکان امر اللّٰہِ قدراً مقدوراً (۳۳/۳۸) جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی خدا کی (یہی) عادت (جاری) رہی ہے، اور خدا کا حکم اندازے سے مقرّر کیا ہُوا ہے۔ یعنی سُنّتِ الٰہی کی اصل شناخت انبیاء و اُئمہّ علیہم السّلام کے باطن میں پوشیدہ ہے، اور کلمۂ امر کا وقوع علم و عبادت کی مقرّرہ مقدار مکمّل ہو جانے کے بعد ممکن ہے۔

۲۔ کچھ آگے چل کر اسی سورہ (٣٣/٦٢) میں دیکھیں، کہ خدا کی عادت میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہے، اب ہمیں قرآن ہی کی روشنی میں یہ سوچنا اور دیکھنا ہوگا کہ سُنّت اللہ کی عظیم حکمتوں کا تصوّر کس طرح ہو سکتا ہے؟ کیا خدا کی عادت کا تعلق اس کے قول سے ہے؟ یا فعل سے؟ یا دونوں سے ہے؟ نیز یہ سوال بھی ضروری ہے کہ آیا یہ دستورِ الٰہی کسی ایک اسم کی وجہ سے ہے؟ یا جملہ اسماء کے سبب سے؟

۳۔ خدا کی پُر حکمت عادت مقامِ ازل پر اس کے قولِ مُبہم (کلمۂ امر) میں بھی ہے، فعلِ مُسلسل میں بھی (جیسا کہ وہ کائنات کو لپیٹتا اور پھیلاتا رہتا ہے) اور اس کا تعلّق تمام اسمائے صفات سے بھی ہے، جن کے منشا کے ظہورات قول و فعل ہی سے ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ بات ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت اپنے تمام معنوں کے ساتھ لوگوں کے باطن میں جاری و ساری ہے (٣٥/٤٣، ٤٠/٨٥) اور اس کی مکمّل معرفت پیغمبروں اور اماموں کی ذات میں پوشیدہ طور پر چلتی رہی ہے، چنانچہ سُنّتِ ازل کا اطلاق نہ صرف آدمؑ و اولادِ آدمؑ ہی پر ہوتا ہے، بلکہ ان سے پہلے جو لوگ تھے، وہ بھی کسی شک کے بغیر اسی طریقۂ جاریہ کے تحت آجاتے ہیں، جیسا کہ خدائے علیم و حکیم کا پاک ارشاد ہے: کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (٢/٢١٣) (انبیاء کے مبعوث ہو جانے سے پہلے) سب لوگ ایک ہی دین رکھتے

تھے۔ وہ دین بقولِ قرآن دینِ قائم (قَیِّمْ) تھا (۹/۳۶) اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اِس دَورِ عظیم سے پہلے بھی لوگ دنیا میں رہتے تھے، اور دین و دستورِ الٰہی بھی جاری تھا۔

۴۔ اِس سِلسلے میں سُورۂ روم کے اِس ارشادِ مبارک کی حکمت کو بھی اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے، فطرت اللّٰہ الّتی فطر النّاسَ علیہا ط لا تبدیلَ لِخلق اللّٰہ ط ذالک الدّین القَیِّم (۳۰/۳۰) خدا کا قانونِ آفرینش وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کی خلقت میں کوئی تغیُّر و تبدُّل نہیں یہی دینِ قائم ہے۔ اِس آیۂ حکمت آگین کی روشنی میں خوب نتیجہ خیز غور و فکر کریں، تاکہ گوہرِ حقیقت حجابِ معنی سے باہر آئے، وہ یہ ہے کہ خدا نے لوگوں کو پیدا کیا درحالیکہ ہمیشہ سے فعلاً اس کی یہ فطرت (سُنّت) چلی آرہی تھی، یعنی اس کے لئے یہ کوئی نیا کام نہیں تھا، کیونکہ خدا کی آفرینش دائرۂ لا ابتدا و لا انتہا پر ہمیشہ جاری و ساری ہے، اس لئے اس کی تخلیق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی، اور اسی مناسبت سے اسلام کو دینِ قائم کہا جاتا ہے، یا یوں سمجھ لینا کہ حضرتِ قائم کی وجہ سے یہ سب کچھ ایسا ہے، مذکورہ آیۂ کریمہ میں دائرۂ ذیل کا تصوّر موجود ہے:۔

دائرۂ فطرت

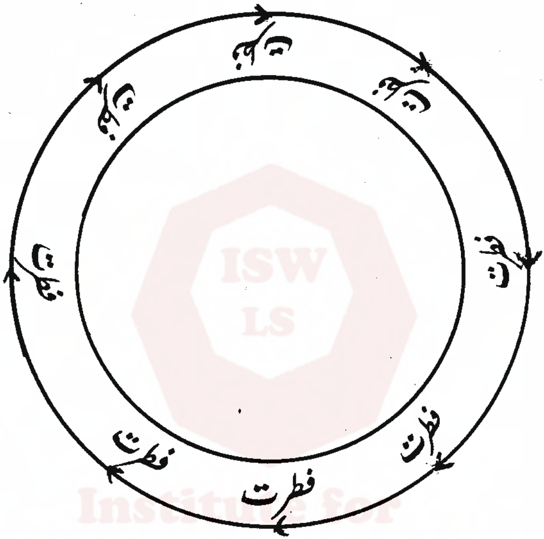

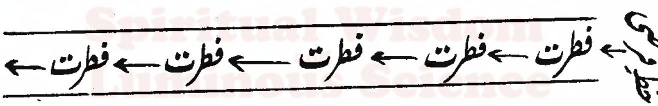

۵۔ جس چیز کی ابتدا ہو، اس کی لازمی طور پر انتہا بھی ہوتی ہے، اور اس کے اوّل و آخر میں تبدیلی پائی جاتی ہے، اس کے برعکس جس سلسلے کا کوئی آغاز و انجام ہی نہ ہو، تو وہ ہمیشہ چلتا رہتا ہے، اور اس میں بحیثیتِ مجموعی کوئی تغیّر و تبدّل نہیں پایا جاتا، چنانچہ آپ مذکورۂ بالا آیۂ مقدّسہ کو پہلے خطِ فرضی کے سامنے رکھ کر دیکھ لیں، اور اس کے بعد دائرۂ فطرت کی مدد سے اس میں غور

کریں، اور آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ کون سا تصوّر درست ہے۔

۶۔ اسلام میں سب سے بنیادی اور سب سے آخری اہمیّت جس چیز کی ہے، وہ توحید ہے، کیونکہ جہاں توحید نہ ہو، وہاں شرک ہوتا ہے، توحید کا دوسرا نام معرفت یا خداشناسی ہے، جس کا راستہ خودشناسی ہے، جو صرف عالمِ شخصی ہی میں ممکن ہے، پھر "تصوّرِ ازل اور سُنّتِ الٰہی" کا یہ مضمون اس سے باہر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

۷۔ نقشۂ بالا میں ایک: جسم، ۲: روح، ۳: عقل، اور ۴: معرفت

کو ظاہر کرتا ہے، یہ چیزیں اسی ترتیب سے عالمِ ناسوت، عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت، اور عالمِ لاھوت کی مثالیں ہیں، اب اِس مکمل اور کامیاب ڈایاگرام کی مدد سے آپ بہت سے اساسی حقائق و معارف کو سمجھ سکتے ہیں، مثال کے طور پر مندرجہ نقشہ سے باہر دونوں طرف ۸ کے تحت جو جو سب سے اہم عنوانات درج ہوئے ہیں، وہ سارے دراصل مقامِ معرفت پر ہیں، چنانچہ آپ ان میں سے ہر ایک کا تصوّر سُنّتِ ازل کی روشنی میں کر سکتے ہیں، مثلاً آپ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی سُنّتِ ازل کے مطابق ہمیشہ عوالمِ شخصی کو پیدا کرتا رہتا ہے، اور ان میں لوگوں کے لئے شروع سے لے کر آخر تک تمام عجائب و غرائب نئے ہوتے ہیں، مگر ذاتِ خدا کے لئے کوئی بات نئی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ بطریقِ لا ابتدا و لا انتہا خالقِ اکبر ہے۔

۸۔ جب پروردگارِ عالم کا قول و فعل قدیم ہے، تو لازماً اس کی سُنّت بھی قدیم ہے، اور جو شئی قدیم ہو، وہ مقامِ ازل پر موجود ہوتی ہے، وہ کسی ابتدا و انتہا کے بغیر ہمیشہ کی چیز ہوتی ہے، کیوں نہ ہو جبکہ کلمۂ امر عالمِ بالا کا درجہ رکھتا ہے، اور اس میں تمام لطیف اشیاء مجموع ہیں، جن کے وجود کے بغیر مُشاہدۂ عقلی اور نتیجۂ عرفانی ممکن نہیں، مگر یہ بات خوب یاد رہے کہ عالمِ عُلوی کی بے شمار چیزیں سب کی سب سلکِ وحدت میں پروئی ہوئی ہوتی ہیں، چنانچہ اگر کسی کو وہاں کی ایک نعمت عطا ہو جاتی ہے، تو

ساری نعمتیں اس سے وابستہ ہو کر اُس کو مل جاتی ہیں۔

۹۔ خالقِ اکبر ہمیشہ عوالمِ انسانی کو پیدا کرتا ہے، خصوصاً ہر پیغمبر اور ہر امام کی ذاتی دنیا کا تذکرہ ہونا چاہئے، کیونکہ نورِ معرفت کا سورج اسی سے طلوع ہو جاتا ہے، اسی میں خدا تعالیٰ بار بار کائناتِ ظاہر اور اس کے واقعات کو لپیٹتا اور پھر پھیلاتا رہتا ہے، اور اسی طرح خدائے بزرگ و برتر گویا علم و حکمت کے آسمان و زمین کو ریوائنڈ اور فارورڈ کرتا رہتا ہے، تاکہ دیکھنے والوں کو اس کی آیات کی مکمل معرفت حاصل ہو (۴۱/۵۳ ، ۵/۲۱)۔

۱۰۔ سوال: بحوالۂ شیعی تفاسیر دربارۂ آیت ۱۷ از سورۂ ھُود (۱۱/۱۷) حضرتِ علی علیہ السّلام آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوّت و رسالت کے ظاہری اور روحانی گواہ ہیں، اور مولا علیؑ سے نورِ امامت مراد ہے، پس یہاں پوچھنا یہ ہے کہ آیا امامِ اطہرؑ قرآنِ پاک کو بمشاہدۂ باطن اس حال میں دیکھ لیتا ہے، کہ وہ حضورِ اکرمؐ پر نازل ہو رہا ہے؟ اور مذکورۂ بالا قانونِ قدرت کے مطابق اِس کے بار بار مُنَزَّل و مرفوع ہو جانے کے تفصیلی مُعجزات ہو رہے ہیں (۱۴/۸)؟

جواب: جی ہاں، امامِ عالیمقامؑ کے مقدّس عالمِ شخصی میں سُنّتِ ازل کے تمام ظہورات و معجزات ہوتے ہیں، اور وہ سب قرآن ہی کی نورانی آیات ہیں، جو ائمّۂ طاہرین علیہم السّلام کے سینہائے پاک

ہیں ہُوا کرتی ہیں (۲۹/۴۹) اور انہی معنوں میں اُئمۂ ھُدا لوگوں پر گواہ ہیں (۲/۱۴۳) کہ محمدؐ رسول اللہ برحق ہیں۔

نصیرُالدّین نصیؔر ہونزائی

لنڈن

۱۷، نومبر ۱۹۸۷ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

فرشتوں کی معرفت

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

۱۔ اے میرے بہت ہی عزیز دوستو! کیا آپ نے آیۂ بیعت (۴۸/۱۰) میں کبھی ٹھیک طرح سے غور و فکر کیا ہے؟ آیا یہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مبارک ہاتھ دین کے اہم امور میں یَدُ اللّٰہ (دستِ خدا) کا درجہ رکھتا تھا؟ جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں، کیونکہ حضورِ اکرمؐ اپنے وقت میں پیغمبرِ محبوب اور خلیفۃ اللہ تھے، اس لئے آپؐ کے پاک و پاکیزہ قول و فعل کو خدائے بزرگ و برتر کے کلام اور کام کی نمائندگی حاصل تھی، جیسے ارشاد ہے: وما ینطقُ عن الھوٰی (۵۳/۳) اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں۔ نیز سورۂ انفال میں دیکھئے: وَمَا رَمَیتَ اِذ رَمَیتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (۸/۱۷) تم نے نہیں پھینکا جبکہ تم نے پھینکا بلکہ خود خدا نے پھینکا۔ ان پُرحکمت قرآنی تعلیمات سے یہ تابناک حقیقت زیادہ سے زیادہ قابلِ

یقین ہو جاتی ہے کہ انبیاء وائمہ علیہم السّلام کے خاص امور خدا کی طرف سے ہُوا کرتے ہیں۔

۲۔ سورۂ آلِ عمران (۳/۴۹) اور سورۂ مائدہ (۵/۱۱۰) میں تفکّر و تدبّر کریں کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام جو معجزات کرتے تھے، وہ دراصل خدائی کام تھا، لیکن چونکہ آپؑ میں نورِ الٰہی کی براہِ راست کارفرمائی تھی لہٰذا یہ عظیم معجزے اُن سے منسوب ہو گئے، چنانچہ ہم یہاں حضرتِ عیسیٰؑ کے تمام معجزات میں سے صرف ایک کا ذکر کریں گے، جس کے ساتھ ہمارے اِس موضوع کا خاص تعلّق ہے، وہ یہ کہ حضرتِ عیسیٰؑ طین (گارا) سے بحکمِ خدا پرندے بناتے تھے، اب اگر ہم اس کی حکمت کو نہ سمجھیں، تو یہ شاید بنظرِ ظاہر صرف ایک ایسا حسّی معجزہ قرار پائے گا کہ اس کا کوئی دُور رس فائدہ نہیں، مگر اہلِ دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو جو جو معجزے دئے ہیں، وہ سب کے سب پُر حکمت اور بے حد مفید ہیں۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ بسلسلۂ سفرِ روحانی جب منزلِ عزرائیلی میں داخل ہو گئے، تو اُن پر تقریباً ایک ہفتہ روحانی موت کا واقعہ گزرتا رہا، اُسی دَوران ان کی شخصیّت کے سانچے میں کائناتی روح ڈھال کر اُن جیسے فرشتے بنائے جاتے تھے، اور یہ معجزہ ہر نبی اور ہر امام کی روحانیّت میں موجود ہوا کرتا ہے، تاکہ تمام اُمّتوں کے مومنوں کے لئے ان عظیم فرشتوں سے بے شمار فائدے حاصل ہوں، جیسے

حضرت عیسیٰؑ نے کہا: اِنّیٓ اَخلُقُ لکم ... (۴۹ ؍ ۳) اس کی مراد یہ ہے کہ تمہارے روحانی فوائد کی خاطر خدا میرے عالمِ شخصی سے ایسے فرشتے بنا دیتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ منزلِ فنا ہے، اِس لئے یہاں خدا عیسیٰؑ کے حق میں جو کچھ کر رہا ہے، وہ عیسیٰؑ کا فعل قرار پا رہا ہے، ورنہ عام طور پر دیکھا جائے، تو فرشتوں کو پیدا کرنا خدا ہی کا کام ہے، اور اس قانون کو بھی بھول نہ جائیں کہ ایسے میں فعل کا اطلاق اُس طرف ہوتا ہے، جس طرف کہ خدا چاہے۔

۴۔ کتاب "کوکبِ دُرّی" کے صفحہ ،، ا پر منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: (ترجمہ:) اللہ تعالیٰ نے علی بنِ ابی طالب کے رُوئے مبارک کے نور سے ستر ہزار فرشتے پیدا کئے ہیں جو قیامت تک اس کے لئے اور اس کے دوستوں کے لئے طلبِ مغفرت کرتے رہیں گے۔ پروردگارِ عالم کی یہ بہت بڑی رحمت ہر پیغمبر اور ہر امام کے ساتھ موجود ہُوا کرتی ہے، اور اس کا قانونِ قرآن وہی ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے متعلق درج ہُوا، اس کُلیے سے ظاہر ہُوا کہ فرشتے نورِ نبوت اور نورِ امامت سے بنائے جاتے ہیں۔

۵۔ آیۂ کریمہ (۵ ؍ ۲۰) کا ترجمہ ہے: (اے رسولؐ ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم جو نعمتیں خدا نے تم کو دی ہیں ان کو یاد کرو اس لئے کہ اس نے تم ہی لوگوں سے پیغمبر بنائے اور تم لوگوں کو بادشاہ (مُلوک) بنایا (۵ ؍ ۲۰) آپ سوچ

سکتے ہیں کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے جیسا خطاب کیا تھا، اس سے کسی شک کے بغیر یہ علم ہو جاتا ہے کہ خدا نے اپنی رحمتِ بے پایان سے بنی اسرائیل کے ہر فرد کو تاجِ سلطانی سے سرفراز فرمایا تھا، لیکن ظاہر میں دیکھا جائے تو کوئی ایسی بات ہے نہیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ پیغمبروں اور اماموں سے ان کے لئے ایسے فرشتے بنائے گئے تھے کہ ہر فردِ مومن اپنے عظیم فرشتے میں بادشاہِ روحانی تھا، یا یوں کہنا چاہیئے کہ پیغمبر اور امام کی منزلِ عزرائیلی میں خود ہر مومن کو فرشتہ اور بادشاہ بنایا جاتا ہے، اس تصوّر سے آپ کی قرآنی معلومات کی دُنیا میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

٦۔ ہر پیغمبر کے ساتھ امام تھا، اور ختمِ نبوّت کے بعد بھی ہے، جسکی معرفت میں یہ نعمتِ عُظمیٰ پوشیدہ ہُوا کرتی ہے، چنانچہ آپ جانتے ہوں گے کہ قرآنِ حکیم ایک ہی حقیقت کو طرح طرح کی مثالوں میں بیان کرتا ہے (۱۷/۸۹ ، ۱۸/۵۴) سو اِس قانون کا ذکر فرمایا گیا کہ ہر چیز کا ایک سایہ ہُوا کرتا ہے (۱۶/۸۱) خواہ وہ نور ہی کیوں نہ ہو، پس ارشاد ہُوا: وجعل لکم سرابیلَ تقیکُم الحَرَّ = اور اُس نے تمہارے لئے کُرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یعنی مرتبۂ امامت کے بہت سے زندہ کُرتے (فرشتے) جو عقلی دوزخ (جہالت) سے تم کو بچانے کے لئے ہیں۔ وسرابیلَ تقیکم باسکم = اور کُرتے جو تمہیں ہتھیاروں کی زد سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یعنی مرتبۂ قیامت کے

بہت سے زندہ کرتے (فرشتے) ہیں، جو قیامت کی علمی جنگ میں تمہیں غلبہ و فتح عطا کر سکتے ہیں۔

۷۔ ہر گرانمایہ خزانہ صرف کسی مضبوط و محکم حجاب کے پیچھے ہی مخفی اور محفوظ رہ سکتا ہے، اور اس قانون کے سلسلے میں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ خداوندِ دو جہان نے اپنی ذاتِ اقدس کے لئے حجاب کو پسند فرمایا (۵۱/۴۲)، جس کی وجہ سے جملہ گنجینہ ہائے قرآن بھی حجابات میں آگئے، چنانچہ اُن مختلف قرآنی حجابوں میں سے ایک حجاب لفظِ "جنّ" بھی ہے، سو آئیے، ہم حضرتِ سلیمان علیہ السّلام کے قصّۂ قرآن کو دیکھتے ہیں، مگر فی الوقت صرف محاریب اور تماثیل (یعنی قلعوں اور تصویروں) کو (۱۳/۳۴) محاریب یعنی زندہ قلعے فرشتے ہیں، جو حضرتِ قائم علیہ السّلام کے کرتے ہیں، جو اُڑن طشتریوں کی طرح کام کرتے ہیں، اور تماثیل (زندہ تصاویر) علمی فرشتے ہیں، جو حضرتِ امام علیہ السّلام کے کرتے ہیں، یعنی پیکر ہائے انوار۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

۸۔ قرآنِ مجید کا اشارہ ہے کہ فرشتے سماوی و ارضی یا روحانی اور جسمانی دو قسم کے ہوا کرتے ہیں (۹/۶، ۹۵/۱۷) ان دونوں کے درمیان جو گہرا رشتہ ہے، وہ اٹوٹ ہے، اور خود قرآنِ حکیم سے اس حقیقت کی ایک یقینی شہادت یہ ہے کہ شیاطین بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، جو شیاطینِ انسی اور شیاطینِ جنّی کہلاتے ہیں (۱۱۲/۶، ۱۲۱/۶) جس طرح بذریعۂ آفتابِ جہان تاب کثیف سمندر سے لطیف بادلوں کا وجود بنتا

ہے، اسی طرح بوسیلۂ نورِ جسمانی فرشتوں یعنی انبیائے کرام اور اُئمّۂ عِظام علیہم السّلام کے مبارک وجود سے روحانی فرشتے پیدا ہو جاتے ہیں، اور اِسی قانون کے مطابق اِنسی شیاطین سے جِنّی شیاطین موجود ہو جاتے ہیں۔

۹۔ قرآنِ پاک میں جہاں جہاں پرندوں کا ذکر آیا ہے، وہ بزبانِ حکمت ارواح و ملائکہ کا تذکرہ ہے، جیسے سُورۂ نمل (۲۷/۱۶) میں ہے: اور سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے (یعنی سلطنتِ سلیمانی جو بہت مشہور ہے، وہ زمانۂ آدمؑ سے پوشیدہ پوشیدہ چلی آرہی تھی) اور کہا لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے (یعنی روحوں اور فرشتوں کی بولی جو ہر پیغمبر اور ہر امام کے لئے لازمی ہے) اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے (یہ مذکورہ نعمتوں کی مزید وضاحت ہے۔)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے فرشتوں کو اس طرح سے بنایا ہے کہ وہ کائنات و موجودات کی ہر ہر چیز کی حیثیّت و کیفیّت کے مطابق کام کر سکتے ہیں، اور ان کے مختلف درجات مقرّر ہیں، مگر جو عظیم فرشتے ہیں، ان کے بہت سے نام ہیں، مثال کے طور پر: رَعْدْ (بجلی کی کڑک) برق (بجلی، چمک) صاعقہ (کڑک، دھماکہ)، نار (آگ) روح، ریح، سحاب، وغیرہ، کیونکہ ان کے جیسے نام ہیں، ایسے کام بھی ہیں۔

۱۱۔ سوال: اگر پوچھا جائے کہ روح اور فرشتہ کی شکل کیسی ہے؟

اور ان کی گفتگو کس بولی میں ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہر چیز کی روح اسی چیز کی شکل پر ہے، مثلاً کائنات کی روح ایک لطیف کائنات ہے، سیارۂ زمین کی روح ایسی ہی ایک روحانی دُنیا ہے مگر چونکہ روح ہے، اس لئے اسے بہت زیادہ درخشندہ و تابندہ ہونا ہے، اسی طرح انسانی روح اپنی اصل حالت میں ایک لطیف اور انتہائی شکیل و جمیل انسان ہے، اور فرشتہ بھی ایسا ہے، اب رہا زبان یا بولی کا مسئلہ، تو اس کے لئے قانون یہ ہے کہ ہر شخص کی روح اور فرشتوں کی بولی وہی ہوتی ہے، جو کچھ اُس آدمی کی اپنی ہوتی ہے۔

۱۲۔ سوال: وہ طریقہ کون سا ہے، جس کو اختیار کرنے سے کوئی مومن فرشتوں کی معرفت حاصل کر سکتا ہے؟ یا ان کے قریب ہو سکتا ہے؟ یا ان کی تائید سے مستفیض ہو سکتا ہے؟ جواب: اس کے لئے صراطِ مستقیم کے ہوتے ہوئے کسی اور طریق کی ضرورت کیوں کر پیش آسکتی ہے، وہی مکمل اطاعت از حد ضروری ہے، جو خدا و رسول ؐ، اور امامِ زمان ؑ کے پُرنور ارشادات کی بجاآوری میں کی جاتی ہے، چنانچہ نورِ امامت کے فرمانہائے مبارک روحانی ترقّی کی ہدایات سے بھرے ہوئے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مومن ہی اطاعت، عبادت، اور حقیقی علم سے فرشتہ بن سکتا ہے، چنانچہ فرشتوں کی چند خصوصیات یہ ہیں: الف: اعلیٰ درجے کی فرمانبرداری (۱۶/۵۰) ب: خوفِ خدا (۱۶/۵۰) ج: عاجزی (۲۱/۱۹) د: کثرتِ ذکر و عبادت (۲۱/۲۰) ھ: علم و حکمت (۲/۷)

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science
Knowledge for a united humanity

و: مومنین کے لئے خیر خواہی اور دعا (۴/۷) ز: اہلِ ایمان کی خدمت (مدد) اور دوستی (۱۴/۳۱، ۵۸/۲۲)۔

۱۳۔ اگرچہ حکیم پیر ناصر خسرو ق س کی ہر کتاب اسرارِ علم و حکمت کے جواہر کا ایک انمول گنجینہ ہے، تاہم "وجہِ دین" حُجّتِ امامِ عالیمقامؑ کی ایک ایسی بے مثال کتاب ہے، کہ اس میں جگہ جگہ ہوشمند اور باسعادت مومنین کے لئے امام شناسی کے بے بہا موتی بکھیر دئے گئے ہیں، چونکہ وہ ایک عارفِ کامل اور پیرِ روشن ضمیر کی بے حد کامیاب تصنیفات کی آخری کتاب ہونے کی حیثیت سے چوٹی پر ہے، نیز یہ کہ وہ ایسی کتاب ہے جس کی تاویلی حکمتیں روحانی اور عقلانی مشاہدات پر مبنی ہیں، لہٰذا آپ اس کا مطالعہ کریں، لیکن بڑی باریک نگاہی اور بھرپور توجّہ سے یہ عمل ہو، تاکہ اس سے نہ صرف فرشتوں کے بارے میں معلومات کا ایک گرانمایہ ذخیرہ حاصل ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے خزانے ملیں گے جو لازوال ہیں۔

۱۴۔ نکیر و منکر کا ہونا حق ہے، مگر ان کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس قبر میں سوال و جواب یا بحث کرتے ہیں؟ کیونکہ قانونِ خداوندی کے مطابق تمام چیزیں دو دو، یعنی جُفت جُفت ہیں، اُن میں سے ایک مثال ہے، اور دوسری چیز ممثول، چنانچہ قبرِ خاکی مثال ہے، اور خود زندہ آدمی اس کا ممثول، لہٰذا مذکورہ دو فرشتے جو خیر و شر کے نمائندے ہیں، ہماری زندگی ہی میں اپنا مقرّرہ کام پورا

کر لیتے ہیں، پس اس مرحلے میں آسانی کے لئے حقیقی علم اور نیک عمل از بس ضروری ہے۔

۱۵۔ رسولِ اکرم رحمتِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو دائمی اور عقلی معجزے قرآن اور امام ہیں، صدقے جائیں ہم صاحبِ ثقلینؐ سے، اور ثقلین سے، آؤ دوستو، یہاں نورِ منزّل اور کتابِ مُبین (۵/۱۵) کے غیر فانی خزائن میں سے ایک عجیب و غریب خزانہ ہے، لیکن خدا کے واسطے اس گنجِ گوہر کی قدر و قیمت کو سمجھ لینا، وہ ارشاد جو روحانی حکمتوں سے لبریز ہے، یہ ہے:-

ولقد خلقنٰکم ثمّ صوّرنٰکم ثمّ قلنا للملٰٓئکۃ اسجدوا لاٰدم (۷/۱۱) اس میں تو شک ہی نہیں کہ ہم نے تم کو (جسمانی طور پر) پیدا کیا پھر (بعد ازاں) تمہاری (روحانی) صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب آدم کے لئے سجدہ کرو (۷/۱۱) اس میں حکمتِ بالغہ کی کئی کلیدیں ہیں، مثلاً: الف: اس دَور کے آدمؑ سے پہلے بھی لوگ تھے، اور اُن میں سے بعض فرشتے ہو گئے تھے۔ ب: پہلے جسمانی تخلیق ہے، اُس کے بعد روحانی تکمیل، اور پھر مُشاہدہ اور معرفت کے سلسلے میں حضرتِ آدمؑ کا روحانی واقعہ سامنے آتا ہے۔ ج: روحانیت زمان و مکان سے بالاتر ہے، لہٰذا اہلِ معرفت دیدۂ باطن سے واقعاتِ قرآن کو حالِ اصل میں دیکھ سکتے ہیں۔ د: خدا تعالیٰ لوگوں کو باطن میں اپنے وہ معجزات (آیات ۴۱/۵۳) دکھا سکتا ہے جو

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

اُس نے انبیا علیہم السّلام کے لئے کئے تھے۔ ھ : جب یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ہر لطیف چیز کو امامِ مبین کے نورِ اقدس میں محدود کر دیا ہے (۳۶/۱۲) تو پھر جو لوگ امام کو نورانیت میں پہچان لیں، وہ قرآن کو بھی روحانیت میں پہچان لیں گے اور انبیا و ملائکہ کو بھی۔ و : اگر یہ ممکن ہے کہ انسان کی اپنی معرفت سے خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو ایسے میں کلامِ الٰہی (یعنی قرآن) کی معرفت کیسے الگ ہو سکتی ہے۔

۱۶۔ آدم علیہ السّلام خلیفۂ خدا تھے، کہاں؟ سیّارۂ زمین پر، اور فرشتے کہاں تھے؟ آسمان میں، اور ہر جگہ، پھر یہ کیسے ممکن ہُوا، کہ کائنات بھر کے فرشتے اپنے کاموں کو چھوڑ کر آدمؑ کے پاس زمین پر آ گئے، تاکہ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں، اور علمِ اسماء حاصل کریں؟ اگر یہی بات درست ہے تو پھر آدمؑ کی خلافت پوری کائنات میں ثابت ہوئی، اس معنی میں کہ سب نے آدم کی طرف رجوع کیا، تاہم بتائیں کہ اس میں اصل راز کیا ہے؟ اصل راز یہ ہے کہ آسمان و زمین کی کئی قسمیں ہیں، مگر آخری سمٰوٰت و ارض عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ ہیں، جن کی عظمت و بزرگی کا اندازہ ہر ہوشمند کر سکتا ہے، چنانچہ حضرتِ آدمؑ زمینِ نفسِ کُلّی میں خلیفہ تھے، وہ اگر ایک طرح سے زمین ہے تو دوسری طرح سے آسمان ہے، مگر یہ بات بھول نہ جائیں کہ نفسِ کُلّ صرف روحانی ہی ہے، مادّی ہرگز نہیں۔

۱۷۔ آپ یہ نکتہ بھی یاد رکھیں کہ دُنیا کی چیزیں ہمیشہ متفرق و منتشر ہوتی ہیں، مگر خدا کی چیزیں اس کی صفتِ وحدانیت اور سنّتِ ازل کے مطابق دستِ قدرت میں ایک ہو کر قائم رہتی ہیں، چنانچہ خدا کی زندہ زمین یعنی نفسِ کُلّ، اور اس کا خلیفہ ایک ہو گئے تھے پس اسی عالمگیر روح کے وسیلے سے حضرتِ آدم علیہ السّلام کی علمی آواز آسمان و زمین کے سارے فرشتے سنتے تھے۔

۱۸۔ یہ بات بارہا زیرِ بحث آچکی ہے، اور ایک روشن حقیقت کے طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ جو روحِ خدا (۱۵/۲۹، ۳۸/۷۲) حضرت آدم علیہ السّلام میں تھی، وہ دوسرے الفاظ میں خدا کا نور تھا، پس اسی کو ہم کائناتی روح یا ارض اللہ (۴/۹۷، ۲۹/۵۶، ۳۹/۱۰) کہہ سکتے ہیں، جس میں حضرت آدمؑ کی خلافتِ کُبریٰ تھی، اور اسی میں امامت کے معنی بھی پوشیدہ ہیں، جیسا کہ آپ کُلّیۂ امامت کو جانتے ہیں، پس یہ قرآنی حکمت کا کتنا بڑا حیرت انگیز اور زبردست تصوّر ہے کہ حضرت آدم صفی اللہ کو ارض اللہ (کائناتی روح) کی خلافت عطا ہوئی تھی، اور یہ خلافت اب بھی ہے، کیونکہ پیدا ہونے والے ملائکہ کو علمِ آدمؑ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر وہ ان سیڑھیوں سے چڑھ کر بارگاہِ خداوندی تک نہیں پہنچ سکتے، جن کی مسافت پچاس ہزار سال کی ہے (۷۰/۴) دیکھئے کہ ہر چیز اور ہر مثال میں علم ہے (۲۰/۹۸) تو پھر یہ سیڑھیاں

مادیّت کی کیوں کر ہو سکتی ہیں ۔

نصیرُالدّین نصیؔر ہونزائی
لنڈن
۲۰ر نومبر ۱۹۸۷ء

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بہشت کی معرفت

۱۔ قانونِ دُوئی :

سُورۂ ذاریات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے : وَمِن کُلِّ شئیٍ خلقنا زوجَیْنِ لعلّکم تذکّرون (۴۹/۵۱) اور ہم نے ہر چیز کے دو دو جوڑے بنائے تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔ یہ ذاتِ سُبحان کا بنایا ہوا قانونِ دُوئی ہے، اور اس سے موجودات کی کوئی چیز ہرگز خارج نہیں ہو سکتی، اب ہم اسی قانون کی روشنی میں یہ عرض کر دینا چاہیں گے کہ شہادت دو قسم کی ہُوا کرتی ہے، پہلی شہادت ہے روحانی اور دوسری جسمانی، اگر کچھ خوش بخت مومنین قبل از مرگِ جسمانی بوسیلۂ علم، عبادت اور ریاضت منزلِ عزرائیلی کا تجربہ حاصل کر لیتے ہیں، یعنی روحانی طور پر مر جاتے

ہیں، تو یہ ان کی روحانی یا باطنی شہادت ہے، اور دوسری شہادت جو جسمانی اور ظاہری ہے وہ تو سب کو معلوم ہی ہے، اور کسی سے پوشیدہ نہیں۔

۲۔ شہدائے باطن :۔

اب سورۂ محمد (۴۷/۴-۶) میں دیکھ لیں : (ترجمہ:) اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ان کی کارگزاریوں کو خدا ہرگز اکارت نہ کرے گا۔ انہیں عنقریب منزلِ مقصود تک پہنچائے گا اور ان کی حالت سنوار دے گا۔ اور ان کو اس بہشت میں داخل کرے گا جس کا انہیں (پہلے سے) شناسا کر رکھا ہے (عرّفها لهم ۴۷/۴-۶) کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں آیاتِ مقدّسہ نہ صرف شہدائے باطن کے بارے میں ہیں، بلکہ شہیدانِ ظاہر کی شان میں بھی ہیں، اس حقیقتِ حال کے باوصف اگر آپ ان آیتوں کی حکمت کو تفکّر و تدبّر سے دیکھیں، تو ظاہری شہیدوں کی فضیلت اپنی جگہ مُسلّمہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کو پہلے سے جنّت کی معرفت عطا کر دیتا ہے، جو اس کی راہ میں جیتے جی شہید ہو جاتے ہیں، آپ سورۂ حدید میں بھی دیکھیں (۵۷/۱۹) کہ جو مومنین زندہ شہید ہوتے ہیں، وہ نورِ معرفت سے فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ معرفتیں یکجا ہیں :-

بہشت کی معرفت دیگر معرفتوں سے الگ تھلگ نہیں، جبکہ تمام کی تمام معرفتیں آپس میں مل کر یکجا ہیں، پس جو خوش نصیب لوگ اپنے آپ کو اور اپنے ربّ کو پہچانتے ہیں، وہ لازماً بہشت کو بھی پہچان سکتے ہیں، ایسے میں جو علم ہوگا، وہ روحانی اور حقیقی کہلائے گا، اور اس سے یقیناً جنّت کی شناخت میں بڑی مدد ملے گی۔

۴۔ لاکھ سوال ایک جواب :-

جنّت میں کیا کیا نعمتیں عطا ہوسکتی ہیں؟ اور کون کون سی چیزیں نہیں ملتیں؟ اس کے علم کے لئے بھی قرآنِ کریم نے ایک کُلیّہ عطا کر دیا ہے، جس کا ذکر چند مقامات پر ہے، اور اس کی ایک صورت یہ ہے: **لهم مّا يشاءون فيها ولدينا مزيد** (۵۰/۳۵) اس (بہشت) میں یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر ہے اور ہمارے ہاں تو (اس سے بھی) زیادہ ہے۔ اس باکرامت آیت میں ایک ایسا حکیمانہ جواب موجود ہے کہ اگر لاکھ سوال ہوں، تو اس حال میں بھی یہ سب کے لئے کافی ہوسکتا ہے، غرض یہ ہے کہ جنّت میں ہر مطلوبہ نعمت موجود ہے۔

۵۔ اِبداعی بدن :۔

بہشتی لوگ جسمِ لطیف رکھتے ہیں، جو موجودہ بدن کے برعکس ہے، وہ نورانی اور اِبداعی قوّتوں کا حامل ہے، کیونکہ وہ جسمِ فلکی ہے، اس لئے عناصرِ اربعہ سے برتر ہے، اس کی لطافت و پاکیزگی کی تشبیہ و تمثیل یا تو شعلۂ شمع سے یا سورج کی شعاعوں سے دی جاسکتی ہے، اِبداعی بدن تنفّس اور نظامِ تنفّس سے پاک ہے، نہ وہ حرکتِ قلب اور دَورانِ خون کا محتاج ہے، اور نہ اس کو نیند کی ضرورت ہے، اس میں شب و روز ذکرِ خدا خود از خود چلتا رہتا ہے، جس کی بدولت وہ جہاں چاہے پرواز کر کے جا سکتا ہے، اس کے حواسِ ظاہر و باطن ایک ساتھ کام کرتے ہیں، لہٰذا وہ دُنیا کو بھی دیکھتا ہے اور آخرت کو بھی، اہلِ جنّت ہماری طرح کی غذائیں نہیں کھایا کرتے، انکو بہشت کی لطیف خوشبوؤں سے قوّت ملتی رہتی ہے، ان کا طعام و شراب (کھانا پینا) خوش بُوہائے گوناگون سے ہے۔

۶۔ جامۂ جنّت :۔

دنیاوی کپڑے بیجان، بیحس، اور خاموش ہوتے ہیں، لیکن جامۂ جنّت عقل و جان اور احساس کی خوبیوں سے آراستہ پیراستہ

ہوا کرتا ہے، اسے کوئی انسانِ کامل، یا فرشتہ، یا روحِ اضافی سمجھ لیں، جس کا پہن لینا یوں ہے کہ اپنی جان کے ساتھ اسے ایک کر لیا جائے، آپ نے شاید قمیصِ یوسفؑ کو ایک ظاہری کرتا سمجھا ہوگا، مگر یہ بات نہیں، وہ تو بہشت کا ایک کرتا تھا، یعنی لباسِ نور، یہی سبب ہے کہ حضرتِ یعقوبؑ کے چہرے پر ڈالا گیا (۱۲/۹۳، ۱۲/۹۶) اس کے یہ معنی ہیں کہ قمیص کا تعلق جسم سے نہیں، بلکہ حواسِ باطن سے تھا، پس یہ جامہ ہائے بہشت کی ایک روشن مثال ہے، دُنیا کے کپڑوں میں کوئی اختیار نہیں، اس لئے آپ اپنی مرضی سے انہیں استعمال کر لیتے ہیں، لیکن جہاں جامۂ بہشت ایک فرشتہ ہے، وہاں یہ دونوں باتیں درست ہیں کہ ایک اعتبار سے آپ اسے پہن لیتے ہیں، اور دوسرے اعتبار سے وہ آپ کو پہن لیتا ہے۔

۷۔ جنّت میں دیدار:۔

قرآنِ حکیم کی بہت سی آیاتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک دیدار کا ذکر موجود ہے، کہ خدائے بخشندہ ومہربان اپنے ظہورات وتجلّیات کی بے مثال اور لازوال دولت سے اہلِ بہشت کو نوازتا رہے گا، ربِّ کریم کی ہرگونہ ملاقات سے جمال وجلالِ اسرار کا عالم ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۷۵/۲۲) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۷۵/۲۳) اُس روز بہت سے چہرے

تر و تازہ بشاش ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ہر بہشتی شخص خدا کے عالمِ تجلّیات کو دیکھنے کی خواہش کرے گا، اور جب اسے دکھایا جائے گا، تو اسے بے حد مسرّت و شادمانی اور حیرت ہوگی۔

۸۔ دیدارِ معرفت کا سرچشمہ :۔

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی کامل ترین اور جامع جوامع کتاب ہے کہ اس میں نہ صرف حیاتِ دُنیوی سے متعلّق علم و ہدایت کی فراوانی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بہشتِ جاودانی کی لاثانی اور غیر فانی نعمتوں کے بھید بھی ہیں، اور قرآن مجید کے ان خزانوں تک رسا ہو جانے کے لئے تفکّر و تدبّر کی سخت ضرورت ہے، مثال کے طور پر جب ہم لقاء اللہ (خدا سے ملنا، ملاقات کرنا ۲۹/۵) پر یقین رکھتے ہیں، تو پھر ہمیں قرآنِ کریم کی روشنی میں یہ بھی سوچنا اور دیکھنا ہوگا کہ رجوع الی اللہ (خدا کی طرف لوٹ جانا) یا دیدار و ملاقات کس کیفیّت میں ہوگی، اور اس کے متعلّقات کیا ہو سکتے ہیں، چنانچہ یہ بندۂ کمترین، خاکِ پائے مومنین، کفش بردارِ عاشقین اور سگِ درِ سلطانِ دین بہشت میں دیدارِ خداوندی کے باب میں ایسا عقیدہ رکھتا ہے :۔

۹۔ الف : بہشت میں خدا سے ملنا گنجِ مخفی کو پانا ہے،

ب : پروردگار کا ہر دیدار علم وحکمت کے انوار کے تموّج میں ہوگا، ج : اہلِ بہشت اپنے ربّ کو دیکھیں گے کہ وہ کس طرح کائنات کو لپیٹ رہا ہے (۳۹/۶۷) د : دستِ قدرت کا مشاہدہ ہوگا کہ اس میں بادشاہی بھی ہے اور ہر چیز کی ملکوت بھی (۶۷/۱ ، ۳۶/۸۳) ھ : قلمِ الٰہی کا دیدار ہوگا کہ اس کی ہزاروں مثالیں ہیں، و : لوحِ محفوظ کا مشاہدہ ہوگا کہ اس میں قرآنِ کریم موجود ہے، اور یہ لوح انسانی شکل کا ایک عظیم فرشتہ ہے (۸۵/۲۱-۲۲) ز : کلمۂ کُن کو سُنیں گے کہ وہ ہر مومن کی اپنی زبان میں ہے (۱۴/۴) ح : اگر مومنین اللہ تعالیٰ کے اسرارِ ازل وابد کو جاننا چاہیں، تو ان کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی، ط : بہشت والے ان اسرارِ عظیم کے جاننے سے بدرجۂ انتہا شادمان ہو جائیں گے کہ اللہ کے نزدیک امامِ مُبین کے بہت سے نام ہیں، مثلاً لوحِ محفوظ، نفسِ واحدہ، کُرسی، کتابِ ناطق، اُمّ الکتاب، ارض اللہ، اسمِ اکبر، نور اللہ، حبل اللہ، عُروَۃ الوُثقیٰ، روحِ اعظم، کتابِ مکنون، شاہد، صِدّیق، وغیرہ۔

۱۰- بہشت جوہرِ دُنیا :-

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ : دُنیا آخرت کی کھیتی باڑی ہے۔ چنانچہ بہشت دُنیا کا پھل، خلاصہ، ست، اور جوہر ہے، کیونکہ جب تک کوئی انسان یہاں آکر اپنے لئے علم وعمل

کی ایک دنیا تعمیر نہیں کرتا، تب تک اس کی ذاتی جنّت تیار نہیں ہو سکتی، اور جب قولاً و فعلاً ہر گونہ تیاری سے اس کا عالمِ شخصی مکمّل ہو جاتا ہے، تو اس کی ذاتی کائنات کا چھلکا اُتارا جاتا ہے (۸۱/۱۱) تاکہ اس کا باطن یعنی روحِ کُلّی بحیثیّتِ بہشت اس کے سامنے آئے، کیونکہ دُنیا و آخرت ایک ساتھ ہیں، وہ اِس طرح کہ جسمِ کُلّی دُنیا ہے، اور اس میں نفسِ کُلّی آخرت ہے، جیسے قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا کہ جنّت کی وُسعت سارے آسمان زمین کے برابر ہے (۳/۱۳۳ ، ۵۷/۲۱) یعنی آسمانوں اور زمین کے باطن میں جو عالمگیر روح ہے، وہی دائمی بہشت ہے۔

۱۱۔ کائنات کا چھلکا اُتارنا:-

اِرشادِ ربّانی ہے: وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ (۸۱/۱۱) اور جس وقت آسمان (یعنی ساری کائنات) کا چھلکا اتارا جائے گا۔ جب کسی حکم کا اطلاق کُلّ پر ہوتا ہے تو اس کے تمام اجزاء اس حکم کے تحت آتے ہیں، اور کوئی جزو اس سے مُستثنا نہیں ہو سکتا، چنانچہ اس آیۂ مبارکہ میں بہت سے لطیف و بلیغ اشارے موجود ہیں، مثال کے طور پر: الف: یہ جہان جو سب کے سامنے ہے چھلکا ہے، اور وہ جہان اس کا میوہ و مغز، ب: آدمی کے اندر ایک اصل آدمی ہے، پس یہ جو ظاہر میں ہے بشر ہے، اور

جو باطن میں ہے وہ فرشتہ (بحدِ فعل یا بحدِ قوّت) ج : بہشت میں سُلطان اور سلطنت کے بہت سے درجات ہیں، لہٰذا وہاں سب لوگوں کے لئے گنجائش ہے، د : اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ قرآنی مثال سے ممثول کو سمجھ لیا جائے، اور حجاب کو ہٹا کر محجوب کو پہچان لیا جائے۔

۱۲۔ سرزمینِ بہشت :-

سورۂ زُمَر (۳۹/۷۴) میں دیکھئے کہ وہاں ارضِ بہشت کا ذکر فرمایا گیا ہے، جس سے نفسِ کُلّی مراد ہے، اور اُس کا آسمان عقلِ کُلّی ہے، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ جنّت کی زمین روحانی ہے، اور آسمان عقلانی، اور اسی طرح جنّت پوری کائنات پر محیط ہے، پس بہشت والے جو فلکی جسم میں ہیں، جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور ٹھہر سکتے ہیں، کیونکہ سرزمینِ بہشت (یعنی عالمگیر روح) بہت وسیع ہے، جس طرح قرآنِ پاک میں اس کی وسعت کی تعریف کی گئی ہے (۴/۹۷، ۲۹/۵۶، ۳۹/۱۰)۔

نقشۂ جنّت

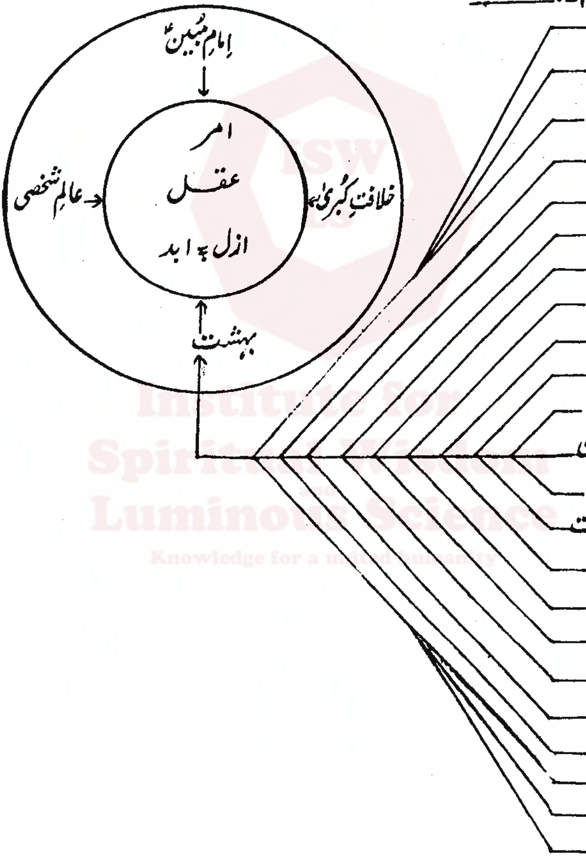

۱۳۔ عوالمِ بہشت :-

- لوحِ محفوظ
- نفسِ کُلّی
- نفسِ واحدہ
- کُرسی
- اُمّ الکتاب
- سماء
- ارضُ اللہ
- نورِ ہدایت
- مُلک
- ملکوت
- روحِ ارواح
- درختِ زیتون
- سراجِ مُنیر
- کتابِ کائنات
- فرشتۂ اعظم
- جسمِ کُلّی
- عالمِ کبیر
- کُلّ شئی
- عالمِ عُلوی
- آخرت
- عصر
- علمِ کُل
- رحمتِ کُل

نوٹ : قرآنِ کریم میں دیکھئے کہ بہشت کے لئے صیغۂ واحد (۵۷/۲۱، ۳/۱۳۳) بھی آیا ہے، اور صیغۂ جمع (۲/۲۵، ۳/۱۵) بھی، وہ نہ صرف ایک عالم ہے، بلکہ اس میں بہت سے عوالِم بھی ہیں، کیونکہ بہشت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بیدریغ نوازشات کی جگہ ہے، جب کہ وہاں خدا لوگوں کو عظیم سلطنتیں بھی دیتا ہے، یاد رہے کہ جنّت مقامِ ابداع ہے اِس لئے وہاں ہر لحظہ ایک نئے جہان کا ظہور ہو سکتا ہے، میرے خیال میں یہ ڈایاگرام بڑا عجیب وغریب اور نہایت ہی ضروری ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھائیں۔

۴۔ ظہوراتِ جنّت:۔

دیکھنے والوں کی خواہش کے مطابق بہشت کے پُرنور نظارے گوناگون ظہورات میں بدلتے ہوں گے، کیونکہ وہ عالمِ امر ہے، جس میں کُن فیکون کی کارفرمائی جاری وساری رہتی ہے، اس لئے جنّت والوں کو جو نعمت مطلوب ہو، جس چیز کی وہ تمنّا کریں، اور عوالِم میں سے جو عالم دیکھنا چاہیں، وہی ان کی نگاہوں کے سامنے آئے گا، اس کی مثال اگر قرآنی نعمتوں سے دی جائے تو بہتر اور مفید تر ہوگا، کیونکہ قرآنِ کریم عوالِمِ بہشت میں سے وہ عالم ہے، جس کا ظہور دونوں جہان میں ہے، اور وہ مثال ذیل کی

طرح ہے :۔

اگر آپ قرآنی بہشت کے مختلف ظہورات و معجزات کا تصور کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، جیسے آپ نے کہا کہ قرآنِ مجید اپنے اِس باکرامت پھیلاؤ کے باوجود اُمّ الکتاب میں جلوہ فگن ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ اس کا ظہورِ اوّل نقطۂ بائے بسم اللہ میں ہُوا، وہ انتہائی بلندی سے مربوط ایک زندہ روح اور ایک تابندہ نور ہے (۴۲/۵۲) قرآنِ مجید لوحِ محفوظ میں بھی ہے (۸۵/۲۱-۲۲) یہ کیسا عظیم معجزہ ہے کہ قرآنِ عزیز قلمِ الٰہی اور کتابِ مکنون میں بھی ہے (۵۶/۷۷-۷۸) اس کا ایک کامل و مکمّل نزول و ظہور آنحضرتؐ کے قلبِ مبارک پر ہُوا (۲۶/۱۹۴) اگر قرآنِ پاک کی کوئی پوشیدہ حکمت سمجھ میں آتی ہے یا کوئی بھید کھل جاتا ہے، تو اُس کی روشنی خزائنِ الٰہی سے آتی ہے (۱۵/۲۱) یعنی قرآنی فکر پر روشنی ڈالنے کے لئے نور مقرّر ہے (۵/۱۵) اور روحانی تائید کے لئے خدا کی جانب سے ایک خاص روح معیّن ہے (۵۸/۲۲) یہ نور اور روح دراصل امامِ مُبینؑ کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے (۳۶/۱۲) کیونکہ جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح نور اور روح کا قیام شخصیّتِ کامل کے بغیر ناممکن ہے، اس قسم کے بے شمار قرآنی تصوّرات ہو سکتے ہیں، مگر جنّت میں یہ سب روحانی اور عقلانی ظہورات و مشاہدات ہوں گے۔

۱۵۔ لذائذِ جنان :-

بہ اشارۂ قرآنِ حکیم (۱۶/۹۷) اہلِ ایمان قیامت کے دن جسمِ فلکی میں زندہ ہو جائیں گے، جس کی زندگی بزبانِ قرآن حیاتِ طیّبہ (پاک و پاکیزہ زندگی) کہلاتی ہے، جس کا ذکر ہو چکا ہے، پس جنّت میں تین قسم کی لذّات ہوں گی: لطیف جسمانی، اعلیٰ روحانی، اور کامل عقلی، ان لطیف و پاکیزہ لذّتوں کی مثال دُنیا میں ہر کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی، مگر صرف اہلِ بصیرت ہی ہیں، جو ان نعمتوں کو پہچانتے ہیں، اس مضمون کے بعد اب بہتر یہ ہوگا کہ آپ قرآنِ پاک میں لذائذِ جنان کے موضوع کو خوب غور سے پڑھیں، اور متعلّقہ احادیثِ نبوی کا بھی مُطالعہ کریں، تاکہ بہشت کی معرفت کے لئے بڑی حد تک مدد مل سکے۔ والسّلام۔

نصیرُ الدّین نصیرؔ ہونزائی
لنڈن
۲۵ ؍ نومبر ۱۹۸۷ء

طوافِ کعبۂ حقیقت

۱۔ ایک فارسی کہاوت ہے : اگر بگویم ، مشکل ۔ اگر نہ گویم ، مشکل ۔ (اگر میں بات کروں تو مشکل ہو جائے گی ، اگر نہ کروں تو مشکل اپنی جگہ قائم ہی رہے گی) اس طرح مجھے ہمیشہ نہیں تو بعض دفعہ دو مشکلیں سامنے ہوتی ہیں ، وہ یہ ہیں کہ اس علمِ امامت کی تعریف و توصیف کرنے سے بعض حضرات کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اس میں خود ستائی کا عُنصر موجود ہے ، اور اگر ان اہم ترین موضوعات کے بارے میں کچھ بھی نہ کہوں ، تو مشکل یہ ہو جاتی ہے کہ جن عزیزوں کے پاس کوئی خاص معیار نہ ہو ، وہ ایسے مضامین کو ٹھیک طرح سے پرکھ نہیں سکتے ہیں ، جس کی وجہ سے یہ بات ممکن ہو جاتی ہے کہ اس علم کو بہت کم اہمیت دی جائے ، پس ہمیں ایسے میں کیا کرنا چاہئے ؟ اس کا چارۂ کار یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے اخلاصِ عمل کے لئے

سعیِ پیہم کریں، اور بار بار اپنی ناچیز ہستی کی نفی کرتے رہیں، جس کے بہت سے طریقے ہیں، اور ایک معقول طریقہ وہ بھی ہے، جس سے "گزارش نامہ" میں کام لیا گیا ہے، مزید برآں میری ہستی کی نفی ذیل کی طرح بھی ہو سکتی ہے:-

۲۔ سورۂ نساء (۴/۲۸) میں ارشاد ہوا ہے: وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا" (۴/۲۸) اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اس حکمِ ربّانی میں کتنی بڑی اور کیسی ہمہ گیر صداقت کی روشنی ہے، جس کو دیکھنے سے دیدۂ عقل چکا چوند ہو جاتی ہے، اب اِس قرآنی فیصلے کے بعد ممالک، اقوام، قبائل، اور افراد میں سے کوئی بحقیقت یہ دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتا کہ وہ طاقتور ہے، جبکہ ہر شخص ضعیف و ناتوان ہے، اور جبکہ ہر آدمی کی تاریخ کمزوریوں، اور ناکامیوں سے بھری ہوئی ہے، تاکہ ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالیں کہ شروع میں ہم کہاں تھے، ہماری کیا حیثیت تھی؟ علم و ہنر میں ہمارا کیا مقام تھا؟ ہمارا واسطہ کس نوعیّت کے کاموں سے رہا؟ وغیرہ؟

۳۔ اب اس علم کی بجا طور پر تعریف و توصیف کی جا سکتی ہے جو بخدا اس بندۂ کمترین کا اپنا نہیں، بلکہ اس عظیم المرتبت معلّمِ ربّانی کا ہے، جو ہر اعتبار سے باکمال اور بے مثال ہے، مگر آہ آہ! یہ طفلانہ الفاظ میرے ہیں، جیسے ذخیرۂ لعل و گوہر کو بوری میں، اور سونے چاندی کے ڈھیر کو گودڑی میں پیش کر رہا ہوں! اے

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

کاش میں ایسے بلند ترین حقائق کو شایانِ شان لفظوں میں بیان کر سکتا، میری ادبی مفلسی اور قلمی بیچارگی کو خداوند تعالیٰ دیکھتا ہے، اور اُس غیب دان سے کوئی حال پوشیدہ نہیں۔

۴۔ طوافِ کعبۂ حقیقت کا یہ تصوّر اور یہ موضوع مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے، جیسے کوئی عظیم خزانہ مل گیا ہو؟ یا جیسے کسی فلک بوس پہاڑ پر کانِ جواہر کا سُراغ مل گیا ہو؟ شاید اس واقعہ کے پس منظر میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے، مجھے یقینِ کامل ہے کہ ہر ایسا شخص اس موضوع سے اور اس کتاب سے بدرجۂ انتہا شادمان و محظوظ ہو جائے گا، جو حضرتِ امامِ عالیمقام صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ کے علمی حسن و جمال کا شیدائی اور عاشق ہے، عرض یہ ہے کہ کعبۂ حقیقت بمُشاہدۂ باطن عرصۂ وجود کے مرکز میں ہے، جس کے گرداگرد حسبِ مراتب طواف کے لئے لاتعداد دائرے مقرّر ہیں، اور ہر چیز بمعنیٔ طواف اپنے دائرے پر گردش کرتی رہتی ہے (۳۶/ ۴۰)۔

۵۔ سُورۂ انبیاء (۲۱/ ۳۳) اور سورۂ یاسین (۳۶/ ۴۰) میں ارشاد ہے: (ترجمہ:) سب (کُل) ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔ یعنی خدا کی خدائی میں جتنی بے شمار چیزیں ہیں، اُتنے لاتعداد دائرے مقرّر ہیں، اور ہر شیٔ دائم اپنے دائرے پر کعبۂ حقیقت کا طواف کر رہی ہے، مثال کے طور پر ہمارے نظامِ شمسی میں جتنے بھی سیّارے اور

ستارے مُنظّم ہیں، وہ سب کے سب بظاہر سورج کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کے اندر جو فطری ہدایت (۸۷:۳، ۲۰:۵۰) پوشیدہ ہے، اس کے حوالے سے یہ سب کعبۂ حقیقت کا طواف کرتے ہیں، ہر چند کہ ان کا یہ عمل معرفت کے بغیر ہے۔

۶۔ کہتے ہیں کہ ایٹم میں چھوٹے پیمانے پر نظامِ شمسی قائم ہوتا ہے، جس میں ایٹم کا مرکزہ گویا سورج ہے، اور الیکٹرونز جو مرکزے کے گرد گھومتے ہیں، سیّاروں کی حیثیت رکھتے ہیں، مرکزہ جو سورج کی حیثیّت رکھتا ہے، پروٹونز اور نیوٹرونز سے مل کر بنا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ ایٹم میں بھی قانونِ طواف موجود ہے، یاد رہے کہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز ایٹموں سے بنی ہے۔

۷۔ دعائم الاسلام، جلدِ اوّل، کتاب الحجّ، اور وجہِ دین، گفتار ۲۴ میں دیکھئے کہ فرشتے عرش اور بیتِ معمور کے گرد با معرفت طواف کرتے ہیں، جس میں حکمت ہائے گوناگون پوشیدہ ہیں، سیّارۂ زمین پر بحکمِ خدا خانۂ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی تھی، جس کا طواف پہلے پہل حضرت آدم علیہ السّلام نے کیا، یہ گھر زمانۂ طوفان میں آسمانِ چہارم پر اُٹھایا گیا، جس میں ہر روز ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے داخل ہو جاتے ہیں، اور طواف کر کے چلے جاتے ہیں، پھر دوبارہ نہیں آتے، حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام نے اُسی گھر کی بنیاد پر بیت اللہ بنایا۔

۸۔ خانۂ خدا اپنے اپنے زمانے میں انبیاء و ائمہ علیہم السّلام ہیں، طوفانِ نوحؑ روحانی انقلاب اور انفرادی قیامت کی مثال ہے، خانۂ کعبہ کو آسمان پر اٹھانے کی تاویل ہے: منزلِ عزرائیلی میں ہر پیغمبر اور ہر امام کے قُرطۂ ابداعی کا عُروج، ہر روز کے معنی ہیں: ہر نبی یا ہر امام، اور ستّر ہزار فرشتے جو ہر روز کعبۂ حقیقت میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ زندہ کرتے ہیں، جو اللہ تبارک و تعالیٰ اُسی منزل میں ہر پیغمبر اور امام کے نورِ اقدس و اطہر سے اہلِ ایمان کے لئے بنا دیتا ہے (۱۶/۸۱)۔

۹۔ آپ کائناتی نور یا عالمگیر ہدایت (۲۴/۳۵) کے بارے میں سوچیں، اُس آیۂ کریمہ کو بھی دیکھیں، جو ہر چیز کی ہدایت سے متعلّق ہے (۲۰/۵۰) اور اُس کُلیّہ کو بھی، جو درجاتِ ہدایت کے باب میں ہے (۱-۳/۸۷) پھر اس کے بعد آپ یہ بتائیں کہ فطری اور ضروری ہدایت سے کون کون سی چیزیں محروم ہیں؟ آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ ہدایتِ الٰہی سے کوئی چیز محروم نہیں؟ جبکہ انسان اختیاری ہدایت کے تحت ہے، اور غیر انسان کو فطری یا جبری ہدایت دی گئی ہے، اب اگر ہمیں کائنات و موجودات کی ہدایت کے بارے میں کچھ جاننا ہے، تو ایٹم کی مثال پر خوب غور کریں گے، کیونکہ جب کائنات اور اس کی ہر چیز ایٹموں سے بنی ہے، تو پھر ایٹم بجائے خود آسمان زمین کی ہر چیز کا نمونہ ہے، چنانچہ آپ نے پڑھا کہ ایٹم میں نظامِ طواف

کارفرما ہے، پس یہاں یہ سِرّ عظیم منکشف ہوا کہ ہدایت بشکلِ طواف اپنا کام کر رہی ہے، اور اس کا مقصد مرکز ہے، یعنی کعبۂ حقیقت۔

۱۰۔ آیاتِ سجدہ، خصوصاً سورۂ نحل کی آیۂ مبارکہ ۴۹ کی روشنی میں دیکھئے کہ آسمان زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتی ہے، سجدہ کے معنی اطاعت کریں یا اسے سجدہ ہی رکھیں، بہر معنی اور بہر حال ایٹم طواف کی صورت میں سجدہ کر رہا ہے، اور اس کی ایک روشن ترین دلیل قرآنِ حکیم کے حوالے سے یہ ہے کہ ہر چیز کا بُنیادی فعل ایک جیسا ہے، مگر قرآنِ پاک کے نزدیک اس کی تشبیہات مختلف ہیں، چنانچہ ایک مثال میں ارشاد ہوا کہ کائنات و موجودات کی کوئی چیز تسبیح خوانی کے بغیر نہیں (۱۷/۴۴) دوسری مثال میں فرمایا گیا کہ ہر چیز اللہ کے لئے سجدہ کرتی ہے (۱۶/۴۹) تیسری مثال میں کہا گیا کہ سب کو اپنی اپنی نماز اور تسبیح معلوم ہے (۲۴/۴۱) اور چوتھی مثال میں ہے کہ تمام چیزیں میوہ ہائے کعبۂ جان کی حیثیّت رکھتی ہیں (۲۸/۵) غرض یہ ہے کہ ہر چیز خدا کے لئے سجدہ کرتی ہے، اور اسی طرح ایٹم بھی اپنے اندرونی کیفیّت میں، جو گردش و طواف کی شکل میں ہے، سجدہ کرتا رہتا ہے۔

۱۱۔ جتنے درجات مخلوقات کے ہیں، اُتنے درجات طواف کعبۂ حقیقت کے بھی ہیں، یعنی یہ طواف دور سے دور تر بھی ہے، اور نزدیک سے نزدیک تر بھی، جس کی مثال کے لئے نقشۂ

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

ذیل کو دیکھئے :-

نقشۂ طواف

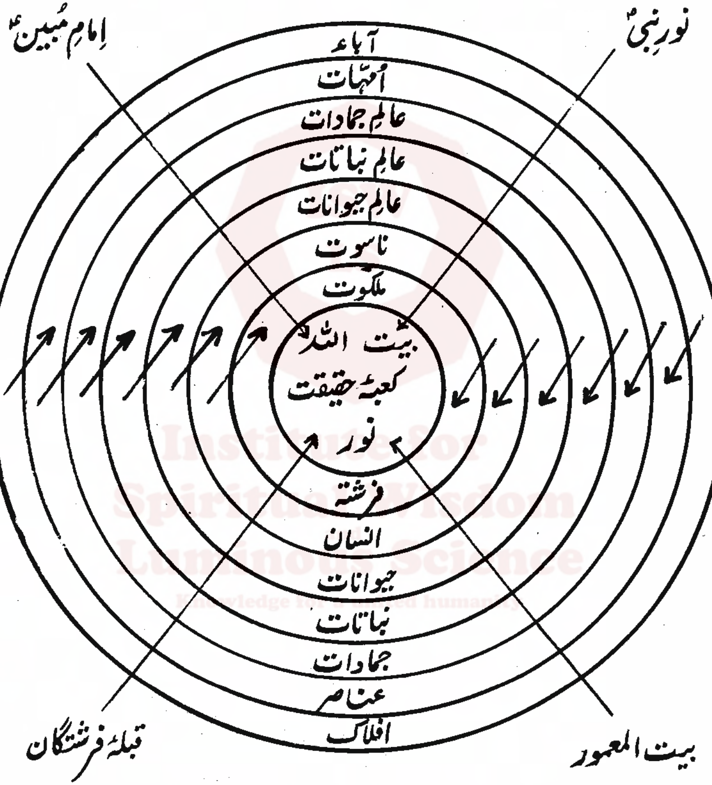

۱۲۔ ہدایتِ ربّانی کے سوا اور کوئی طاقت نہیں، جو کائنات اور اس کی تمام چیزوں کو حرکت میں لائے، جس کی بدولت ہر شئی ایک طرح سے کعبۂ حقیقت کے گرد اگرد طواف کر سکتی ہے، اِس

کا مطلب یہ ہوا کہ جو عالمگیر روح ہمیشہ عظیم آسمانوں کو گھما رہی ہے،
وہی ہر ایٹم کے اندر ننھے ننھے الیکٹرونز کو بھی گردش دیتی رہتی ہے،
اسی روحانی پس منظر کا تصوّر کرتے ہوئے یہ کہنا بالکل درست ہے
کہ ایٹم کے اندر طوافِ کعبۂ حقیقت کی ایک جیتی جاگتی مثال موجود
ہے، اور یہ آیاتِ خداوندی میں سے ہے، آیت بمعنی معجزہ
اور نشانی (۴۱/۵۳)۔

۱۳۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا (از سیّد قاسم محمود) میں ہے کہ:
"طواف کرنا: خانۂ کعبہ کے چاروں طرف گھوم کر اور پھر کر دعا مانگنا،
اس رسم کو ادا کرنا ہے، جو حضرتِ ابراہیمؑ کے عہد میں نذر اور قربانی
کو قربان گاہ کے چاروں طرف پھر کر ادا کی جاتی تھی، چونکہ حاجی (مثال
کے طور پر) اپنے آپ کو قربان گاہ پر چڑھاتا ہے.... اس لئے وہ
اس کے چاروں طرف پھرتا ہے، اور اس گردش کی حالت میں
اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعائیں کرتا ہے۔

طواف حقیقت میں ایک قسم کی ابراہیمی نماز ہے، جو اس پرانے
عہد کی یادگار ہے، اس لئے آنحضورؐ نے فرمایا کہ: خانۂ کعبہ کا طواف
بھی گویا نماز ہے، صرف فرق یہ ہے کہ تم اس میں بول سکتے ہو، مگر
نیک بات کے سوا اس حالت میں کچھ اور نہ بولو" (ترمذی و نسائی)....

۱۴۔ نکتہ ۹ میں ایک اہم ترین انکشاف یہ تھا کہ ہدایت بشکلِ
طواف اپنا کام کر رہی ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ سمندر، بادلوں،

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

بارشوں، ندیوں، اور دریاؤں کی صورت میں پانی کی گردش اور طواف کو دیکھئے، جس میں فطری ہدایت کام کر رہی ہے، اور اس میں کتنی بے شمار برکتیں ہیں، اسی طرح آدمی کو جو اختیاری ہدایت حاصل ہے، جس کی بدولت اس کا جو علم و عمل ہے وہ بصورتِ طواف گردش کرتا ہے، کیونکہ ہر نیکی کے دو ثواب ہیں، ایک جُزوی طور پر دُنیا کے لئے، اور دوسرا کُلّی طور پر آخرت کے لئے (۱۴۸ ⁄ ۳) چنانچہ اگر آپ نے علم و حکمت کی ایک انتہائی پاکیزہ بات حاصل کر لی اور اس کے مطابق کوئی بہت اچھّا کام بھی کیا تو یہ علم بوسیلۂ عمل مرفوع ہو کر خدا کے حضور پہنچ جائیگا (۱۰ ⁄ ۳۵) اور فوراً ہی اس کا دُنیوی ثواب آپ کو مل جائیگا، اس مثال میں حقیقت کے گرد طواف کا صرف ایک ہی دَور ہُوا، لیکن آپ ایسے بابرکت طواف سے کس طرح پیچھے ہٹ سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ اسے جاری رکھیں، تاکہ ہر بار آپ کو بارگاہِ ربّ العزّت سے ایک تازہ آسمانی دولت ملتی رہے، ظاہر ہے کہ اسی طرح آپ کا طواف زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز، بارآور، اور مفید ہوتا جائے گا۔

۱۵۔ جنّت کی نعمتوں کا ویسے تو شمار ہی نہیں ہو سکتا، مگر وہ تین بڑی قسموں میں ہیں: لطیف جسمانی نعمتیں، روحانی نعمتیں، اور عقلانی نعمتیں، جس طرح اِس مادّی دُنیا میں آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، شب و روز، ماہ و سال، وغیرہ گھومتے ہُوئے یعنی طواف کی شکل میں خدمت کرتے رہتے ہیں، اسی طرح غِلمان (بہشت کے خادم)

جو لُولُوئے مکنون کی طرح ہیں، عقلی نعمتیں پیش کرتے ہوئے فوری طواف کر جاتے ہیں، یعنی طلوع ہو کر فوراً ہی غروب ہو جاتے ہیں (۵۲/۲۴، ۵۶/۱۷، ۷۶/۱۹، ۳۷/۴۵، ۴۳/۷۱، ۷۶/۱۵)۔

۱۶۔ یہاں ایک بڑا عجیب و غریب اور بہت ہی اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کائنات و موجودات کی ہر چیز کعبۂ حقیقت کا طواف کیوں کرتی ہے؟ اور خُدّامِ جنّت (غلمان) کس چیز کا طواف کرتے ہیں؟ نیز یہ پوچھنا بے حد ضروری ہو جاتا ہے کہ عقلی نعمتوں کا طواف سے کیا تعلّق ہے؟ اور یہ بھی ایک حیرت انگیز سوال ہے کہ آیا خدا تعالیٰ کا عرش/تخت الگ مقام پر، اور بیت المعمور اس سے جُدا ہے؟

جواب: کعبۂ حقیقت سے امامِ مبین علیہ السّلام کی ذاتِ عالی صفات مراد ہے، جس کے نورِ پاک کی بے شمار شعاعوں کی رسّیوں سے تمام چیزیں وابستہ ہیں، اِس معنیٰ میں کہ سب چیزوں کا عالمِ ذرّ امامِ زمانؑ میں ہے، لہٰذا ہر شئی شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اس کعبۂ حقیقت کے گرد گھومتی رہتی ہے، خُدّامِ جنّت کے طواف کا رُخ اگرچہ بظاہر اہلِ بہشت کی طرف ہے، تاہم اس میں اور بھی لاتعداد معنی ہیں، عقلی نعمتوں کا تعلّق طواف سے اس لئے ہے، کہ کائنات کی ہر چیز اپنے دائرے پر ہمیشہ گردش کرتی رہتی ہے، لیکن یہ بھید لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ کون سی طاقت اسے گردش میں لاتی ہے؟ اور کس طرح؟ نیز اس میں کیا کیا حکمتیں ہیں؟ چنانچہ ان سارے بھیدوں

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

کی نشاندھی اور وضاحت غِلمان کے طواف سے کی جائے گی، کیونکہ سُنّتِ ازل و ابد یہی ہے کہ وہاں جُملہ اسرار صرف آفتابِ نور کے طلوع و غروب اور کلمۂ امر کی روشنی میں پڑھے جاتے ہیں، جہاں حقیقی بادشاہ کا محل (گھر) ہے، وہاں اس کا تخت بھی ہے، یعنی امامؑ کی پاک روح خدا کا گھر (بیت المعمور) اور آپؑ کی عقل اللہ کا تخت ہے، اور اس حقیقت کے مزید ثبوت کے لئے ان شاء اللہ صدہا روشن دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ منّہٖ وَ احسانہٖ۔

نوٹ: ہر اعلیٰ سطح کی کتاب کا بار بار مطالعہ کرنے سے دل و دماغ میں روحانی تائید کی کوئی کرامت ہو سکتی ہے (۵۸/۲۲) اور اس سعادت کے لئے یقینی علم اور امامِ زمانؑ کی محبّت لازمی ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی
کراچی
۱۵؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
۷؍ دسمبر ۱۹۸۷ء

نورِ نبیؐ کی معرفت

۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرتِ محمدؐ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو بمرتبۂ خاتَم الانبیا بھیج کر عموماً دُنیائے انسانیّت پر اور خصوصاً عالمِ اسلام پر جتنے احسانات کئے ہیں، اُن کا حساب و شمار کسی فردِ بشر سے ہرگز نہیں ہو سکتا، جیسے خدائے علیم و حکیم کا پُر حکمت ارشاد ہے: وما ارسلنٰک اِلّا رحمۃً للعٰلمین (۲۱:۱۰۷) اور (اے رسولؐ)، ہم نے تو تم کو سارے دُنیا جہان کے لوگوں کے حق میں ازسرتا پا رحمت بنا کر بھیجا۔ یہاں ہر اُس شخص کو خوب غور کرنا چاہئے، جو عشقِ رسول کے کسی درجے پر ہو، کہ پیغمبرِ اکرمؐ کی ذاتِ عالی صفات کیسی کیسی رحمتوں اور مہربانیوں کی ایک کائنات ہے، اور ہر ایسے آدمی کو بھی اچھی طرح سوچنا ضروری ہے، جو آنحضرتؐ کو کما کانَ حقّہٗ نہیں پہچانتا، کیونکہ یہ رحمت ایک ایسا قرآنی لفظ ہے، جس کے

معنی میں تمام عوالمِ شخصی کے لئے ہر گونہ روحانی حاجت روائی اور ہر نوع کی مہربانی کا ذکر ہے، اور یہ رحمتِ کُلّ خلافت و جانشینی کی صورت میں مستقل اور دائم ہے۔

۲۔ سُورۂ توبہ کے آخر (۹/۱۲۸) میں ہے: لوگو تم ہی میں سے (مِن انفسکم) ایک رسولؐ تمہارے پاس آچکا ہے (جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ) اُس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اُٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہُوکا ہے ایمانداروں پر حد درجہ شفیق مہربان ہے (۹/۱۲۸) اب ہم اس آیۂ کریمہ کی حکمت کو اُجاگر کرتے ہوئے بجا طور پر یہ کہیں گے کہ حضورِ انورؐ عالمِ انسانیت کی جان سے جان تک آئے ہوئے اور چھائے ہوئے ہیں، وہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ وہ یوں کہ مِن انفسکُم (تمہاری جانوں سے)، کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ آئے ہیں وہاں سے، جہاں تمام ارواح ایک لشکر کے طور پر جمع ہیں (الارواح جُنودٌ مُجنّدۃٌ صحیح بخاری، جلد دوم، باب ۲۰۲) اور پھر آپؐ سراجِ منیر کس طرح صرف ظاہر میں محدود ہو سکتے تھے (۳۳/۴۶) سو حضورؐ دلوں کو منوّر کر دینے کے لئے جانوں میں بھی داخل ہو گئے، کیونکہ جو عظیم المرتبت ہستی خداوندِ عالم کی جانب سے رحمتِ کُلّ بنا کر بھیجی گئی ہے، اس کا یہی تو کام ہے کہ ظاہر و باطن کے ہر مقام پر رحمتوں اور مہربانیوں کی بارش برساتی رہے، اس آیۂ مبارکہ کی حکمت نے صاف صاف یہ بتا دیا کہ رسولؐ کی

معرفت سے سارے مُشکل عُقدے کُھل جاتے ہیں، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ قاعدہ بھی خوب یاد رہے کہ اِس معرفت کا دروازہ امامِ زمانؑ ہیں۔

۳۔ سورۂ جُمُعہ (۶۲: ۲) کے شروع کی چار حکمت آگین آیات کو ترجمہ کے ساتھ خوب غور سے دیکھیں، اور خلوصِ دل سے یہ بڑی حسرت پیدا کریں کہ: اے کاش! میں بھی زمانۂ نبوت کے اُن نیک بخت مومنین کے ساتھ ہوتا! جن پر رسول کریمؐ اپنی زبانِ مبارک سے آیاتِ خداوندی کی تلاوت فرماتے تھے، ان کو پاک کرتے، اور کتاب و حکمت سکھایا کرتے تھے، تو وہیں سے آپ کو جوابِ حکیمانہ ملے گا کہ اس میں ذرا بھی مایوسی نہیں، تم چاہو تو اپنے ہی زمانے میں جیتے ہوئے اُن لوگوں سے مُلحق ہو سکتے ہو، کیونکہ خدا غالب حکمت والا ہے (۶۲: ۳) یعنی امامِ عالیمقامؑ جو نہ صرف صراطِ مستقیم اور راہ نما ہی ہیں، بلکہ حکمتِ رسولؐ کا دروازہ بھی ہیں، وہ تم کو بہ امرِ خدا روحانی راستے پر گامزن کرتے ہوئے رسول اللہؐ سے واصل کر سکتے ہیں، تاکہ تم بھی پیغمبرِ اکرمؐ کی روحانیت اور علم و حکمت سے پاک و پاکیزہ ہو سکو۔

۴۔ سُورۂ بقرہ کے ایک مقام (۲: ۱۴۶) میں ارشاد ہُوا ہے: (ترجمہ:) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے وہ پیغمبرؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (۲: ۱۴۶) یہ اُس وقت کی بات ہے، جبکہ اہلِ کتاب اپنے زمانے میں حق پر قائم

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

تھے، جس میں نورِ نبیؐ آلِ ابراہیم کے انبیاء و ائمہ کے سلسلے میں چلا آرہا تھا، چنانچہ ان حضرات نے رسول اللہ کو نورانیّت میں اپنی ذرّیّت کے طور پر پہچان لیا، اور ویسے بھی نور کے بہت سے رشتے ہوا کرتے ہیں، کیونکہ نور موتیوں کی لڑیوں کے دھاگے کی طرح کام کرتا ہے۔

۵۔ روحانیت لامکان و لازمان ہے، یعنی وہ مکان و زمان سے بالاتر ہے، کیونکہ اس میں مکان کی لطیف صورت ہے، اور زمان سب حال ہی حال ہے، پس ایسے میں اساس (علیؑ) نورِ ناطقؐ کو دیکھتے ہیں، اس لئے تمام اسرارِ نبوت و رسالت اساس کو معلوم ہیں، امامِ زمانؑ نورِ اساسؑ کو دیکھتے ہیں، لہٰذا اساس کے سارے خزانے امامِ زمانؑ میں موجود ہیں، اور مومنین مختلف درجات میں امامِ زمانؑ کے نور کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے وہ علم و معرفت کے مختلف درجات پر فائز ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: طُوبیٰ لِمن رَآنی، وَطُوبیٰ لِمن رَأَی من رَآنی، وطُوبیٰ لِمن رَأَی من رَأَی من رَآنی۔ (درختِ طُوبیٰ کی) خوشحالی ہے اس کے لئے جس نے مجھ کو دیکھا، اور خوشحالی ہے اس کے لئے جس نے میرے ناظر کو دیکھا، اور خوشحالی ہے اس کے لئے جس نے میرے ناظر کے ناظر کو دیکھا۔ (حدیث از المجالس المؤیدیّۃ، المائۃ الأولیٰ، مجلس ۳۴، ص ۱۶۲) نورِ نبیؐ کی معرفت کا وسیلہ بس

یہی ہے۔

۶۔ مولا علی علیہ السّلام کے اس مبارک فرمان کو دیکھئے:

نَحنُ نُوُرٌ مِنُ نُوُرِ اللّٰہِ وشیعتنا مِنّا۔ ہم (أئمّہ) نورِ خدا سے ایک نور ہیں اور ہمارے دوست دار ہم سے ہیں۔ یہاں أئمّۂ طاہرین صلوات اللہ علیہم کے مُحبّان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، کیونکہ مِنّا (ہم سے ہیں) کا مطلب ہے کہ: ہمارے دوستدار ہمارے نور سے ہیں، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ اہلِ ایمان کے پاس نورِ امامت نہ صرف ظاہر ہی میں ہے، بلکہ ان کی عقل و جان سے مل کر باطن میں بھی ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ نورِ ہدایت صراطِ مُستقیم اور سلامتی کی راہوں پر چلنے کے لئے مقرّر ہے (۵۷/۲۸، ۵/۱۵–۱۶) تاکہ معرفت کے لازوال خزانوں کا علم ہو، جن میں ہر بندۂ مومن کی خودشناسی، امام شناسی، پیغمبر شناسی اور خداشناسی کے دُرّ و گوہر، اور سیم و زر کے عظیم ذخائر موجود ہیں۔

۷۔ یہاں مزید اطمینان کی خاطر بذریعۂ سوال و جواب چند اہم نکات کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کرائی جاتی ہے:

س ۱: آیا دراصل ایک ہی نور ہے، یا مختلف انوار ہیں؟

ج: نور بحقیقت واحد ہی ہے، جو اپنے گوناگون ظہورات میں بہت سے انوار کا کام بھی کر سکتا ہے، جیسے نورٌ علیٰ نور (۲۴/۳۵) میں اس کا راز پوشیدہ ہے۔

س ۲۲ : نور کی رسائی کہاں کہاں تک ہے ؟ یا یُوں پُوچھنا چاہیئے کہ نور کِن کِن چیزوں پر روشنی ڈالتا ہے ؟ دُنیا ؟ آخرت ؟ ظاہر؟ باطن ؟ ازل ؟ ابد ؟ جِسم ؟ روح ؟ عقل ؟

ج : نور کے لئے رسائی جیسے کمتر الفاظ درست نہیں ، جبکہ نور کائنات پر نہ صرف محیط ہی ہے ، بلکہ بحرِ نور نے تمام کائناتوں کو اپنی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے ڈبوئے رکھا ہے ۔

س ۲۳ : کیا آپ خوش اور مطمئن ہیں کہ آپ نے نورِ نبیؐ کی معرفت سے متعلق کچھ قلمی کاوِش کی ؟

ج : نہیں ، ہرگز نہیں ، میں خاکِ پائے غلامانِ محمد مُصطفےٰ ، کون ہوتا ہوں ، جو اِس موضوع کا حق ادا کر سکوں ، "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" یہ تو حبیبِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذکرِ جمیل سے بہشت کی خوشبوئیں سونگھ لینے کے لئے صرف ایک بہانہ ہے ، لہٰذا میں اگرچہ اس وقت عشقِ رسولؐ کی لذتِ جان محسوس کر رہا ہوں ، اور بے حد مسرور و شادمان ہوں ، لیکن اس ناچیز اور انتہائی ناچیز خدمت سے میں کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں ۔

۸ - ایک بات مجھے ذرّہ بھر ڈھارس دے رہی ہے ، وہ یہ کہ "نورِ نبیؐ کی معرفت" کا مضمون دیگر معرفتوں سے الگ نہیں ، لہٰذا مجھے انتہائی عاجزی سے یہ عرض کرتے ہُوئے قارئینِ کرام کو

آگاہ کر دینا چاہئے کہ یہ موضوع کسی حد تک میری کئی تحریروں میں پھیلا ہُوا ہے، جب کہ بہت سے مضامین آپس میں ملے ہوئے اور مربوط ہُوا کرتے ہیں، کیونکہ معرفت جس طرح سب سے اعلیٰ اور آخر ہے، اسی طرح سب سے عظیم اور سب سے زیادہ ہمہ گیر موضوع بھی ہے، کیوں نہ ہو، جبکہ نورِ معرفت مقامِ ازل میں طلوع ہو کر کُلّ اشیاء کو اپنی انتہائی تابناک شعاعوں میں گھیر لیتا ہے۔

۹۔ اللہ، رسولؐ، اور صاحبِ امر کے نہ صرف الگ الگ اسماء ہیں، بلکہ بعض نام ایسے بھی ہیں، جو قرآنِ حکیم میں خدا تعالیٰ اور پیغمبرِ اکرم صلعم کے بعد امامِ عالیمقامؑ کے لئے استعمال ہوئے ہیں، مثال کے طور پر: نور، ہادی، شہید، وغیرہ، ایسے اسمائے گرامی میں بہت سی حکمتیں پنہان ہو سکتی ہیں، اور ایک حکمت یہ کہ ان سے خدائے بزرگ و برتر کے زندہ ناموں کا ثبوت مل جاتا ہے، کیونکہ پروردگارِ عالم کے مذکورہ زندہ اسماء رسولِ برحقؐ اور پاک امامؑ ہیں، یہ بات سب جانتے ہیں کہ مخلوقات کے نام عقل و جان کے بغیر ہوتے ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم نام (اسماء الحُسنیٰ ۷:۱۸۰) اس لئے اچھے اور خوبصورت کہلاتے ہیں کہ یہ زندہ ہیں، اور ان میں روحِ مقدس، عقلِ سلیم، اور نورِ کامل ہے۔

۱۰۔ کتابُ الزّینۃ، ص ۱۳۰ پر اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کے بارے میں یہ حدیثِ نبوی درج ہے: لِلّٰہِ تِسعَۃٌ وَتِسعُونَ

اِسْماً، مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ اس کا ترجمہ حدیث کی کتابوں میں اس طرح ہے: اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں، جوان کو یاد کرے گا جنت میں جائے گا۔ اس میں اہلِ دانش کا ایک بڑا معقول سوال ہے کہ آیا اگر کوئی غیر مسلم شخص ان مبارک اسماء کو حفظ کرلے، تو وہ بہشت میں داخل ہوگا؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ بس یہی وجہ ہے کہ رسولؐ کے بغیر ایسی کوئی سعادت ممکن ہی نہیں، اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ خزائنِ اسماء کی کلیدیں آنحضرتؐ اور پھر آپؐ کے جانشین کے پاس محفوظ ہیں، چنانچہ مَنْ اَحْصَاهَا کا مفہوم یہ ہے کہ: جو خدا کے ان تمام اسماء کو عرفانی طور پر اس کے زندہ نام یعنی امامِ مُبینؑ میں گھیر لے گا، وہ بہشت میں جائے گا، اس حدیث میں یہی سرِّ معرفت پوشیدہ ہے، آپ کو قرآنِ پاک کی یہ تعلیم معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو امامِ مُبینؑ میں گھیر کر رکھا ہے (۳۶/۱۲)، پس اسمائے الٰہی خزانے (۱۵/۲۱) سے باہر کس طرح ہو سکتے ہیں، آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو لفظ (اَحْصَيْنٰهُ) کلیۂ امامت (۳۶/۱۲) میں ہے، وہی (اَحْصَاهَا) اس حدیث میں بھی ہے۔

۱۱۔ خدائے پاک و برتر نے اپنے محبوب پیغمبرؐ کے لئے دو عظیم معجزے کئے، جو دائمی، عقلی اور علمی ہیں، ایک نورِ مُنزّل ہے، جس کی حامل شروع شروع میں خود حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ عالی صفات

ہی تھی، اور دوسرا معجزہ کسی شک کے بغیر قرآنِ مجید ہے (۵/۱۵) ہدایت کے یہ دونوں سرچشمے اہلِ بصیرت کے لئے دو محدود معجزے نہیں، بلکہ حقیقت میں دو معجزاتی کائنات ہیں، کیونکہ نور اور قرآن بہشت ہیں، اور بہشت کا پھیلاؤ کائنات کے برابر ہے (۳/۱۳۳، ۵۷/۲۱) آپ نے کلام اللہ (۲۶/۹۰، ۵۰/۳۱) میں پڑھا ہوگا کہ روحانیت میں، یا قیامت میں جنّت نزدیک لائی جاتی ہے، پس نورِ مجسّم اور کتابِ خدا اُس عظیم عمل کا ایک روشن ثبوت ہیں۔

۱۲۔ جب قرآنِ کریم یہ فرماتا ہے کہ خدا کا نُور نہ تو بُجھتا ہے اور نہ بُجھایا جا سکتا ہے، (۹/۳۲، ۶۱/۸) تو اس حال میں قرآن کا منشا یقیناً یہی ہے کہ ہم زمانۂ آدمؑ سے قیامت تک ایک شخصیّت سے دوسری شخصیّت میں نور کی منتقلی کے قانون کو تسلیم کریں، اس کے سوا زندہ اور گویندہ نورِ مُنزّل کا کوئی تصوّر ہی نہیں، چُنانچہ وہ نور جو حضرت خاتم انبیاؐ میں تھا (۵/۱۵) آپؐ کے وصی (مولا علیؑ) میں منتقل ہو گیا، تاکہ علومِ قرآن کا دروازہ بند نہ ہو، اور اسلام کی آئندہ ہدایت کا وسیلہ ہمیشہ مُہیّا رہے۔

۱۳۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قرآنی اسماء سَو ہیں، چنانچہ ہر اسم کی توضیح و تشریح سے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب بن سکتی ہے، پس اگر دُنیائے علم و ادب کی چوٹی کے عُلماء اور دانشور رسولِ کریمؐ کے سَو مبارک ناموں کی وضاحتوں پر مشتمل سَو الگ الگ کتابیں لکھنے کا منصوبہ بنائیں، اور اس میں کامیاب بھی ہو جائیں، تو اس صورت

میں قرآنِ پاک کی کوئی آیت اور حدیثِ نبوی کا کوئی ارشاد اس فضیلت و توصیف سے لاتعلق نہ رہے گا، اس کے ساتھ ساتھ سیرتِ طیبّہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ دوبارہ استعمال ہوگا، تاریخ یکسر نچوڑلی جائے گی اور ادب کا وہ خزانہ گویا خالی ہو جائیگا، جو عمدہ الفاظ کے جواہر سے بھرا ہُوا ہے، لیکن پھر بھی رسول اللہؐ کی باکمال اور بے مثال شخصیّت کا نورانی پہلو محجوب ہی رہے گا۔

۱۴۔ کتاب "المنتخبات" میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے یہ اسماء بھی درج ہیں: صُحُفِ آدمؑ میں: مُقتنع، سربلند، صُحُفِ شیثؑ میں: صام صام، روشن دلائل سے بہت کاٹنے والا، صُحُفِ ابراہیمؑ میں: اخری یا قدما، سب سے آخر سب سے اوّل، توراۃ میں: مارماد، یعنی موجود، اشعیاؑ اور ارمیاؑ کے صحف میں: قانعؔ قناعت کرنے والا، زبور میں: بارقلیط، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا، انجیل میں: طاب طاب، پاک و پاکیزہ، پرندوں میں: عبدالجبّار، بہایم میں: عبدالغفور، جنّات کے نزدیک: نبیّ الرّحمۃ، اور شیاطین کے نزدیک: نبیّ المُلحَمۃ، کھانے پینے والا پیغمبر۔

۱۵۔ جب سرورِ انبیاؐ کو معراج ہوئی، تو اُس حال میں آپؐ نے اسرارِ ازل و ابد کو یکجا دیکھا، اُس مقام پر کنزالکنوز یا گنجِ مخفی موجود تھا، اس میں جُملۂ کائنات و موجودات کے سارے بھید اور

دونوں جہان کے تمام جواہر محفوظ تھے، خدا کی خدائی کا کوئی رازاُس خزانے سے باہر نہ تھا، اور خزانہ جو عقل و جان کی دولت سے معمور و مملو تھا، زبانِ حکمت اور حرکتِ عقلی سے ایک ایک کر کے اپنے بھیدوں کو بیان کر رہا تھا، یہ انتہائی عظیم الشّان واقعہ یا معجزہ ایسا نہ تھا جو فراموش ہو جائے، لٰہذا روحانی معراج کے بعد بھی ایک طرح سے اشاراتِ ازل آنحضورؐ کے قلبِ انور میں جاری رہے، اور وحی کے دوسرے ذرائع اس کے علاوہ تھے۔

۱۶۔ رحمتِ عالمؐ کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے کہ "میرے اور میرے پروردگار کے درمیان پانچ وسائط ہیں: قلم، لوح، اسرافیل، میکائیل، اور جبرائیل"۔ لیکن جب معراج ہُوئی تو اس میں رسول اللہؐ نے براہِ راست اس امرِ عظیم کا مشاہدہ کیا کہ قلم قرآنِ کریم کو لوحِ محفوظ پر حروفِ وحدت میں لکھ رہا تھا، اور وہ صرف سات حروف ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا، اور اس سے قرآن کا وہ نزول مراد ہے، جو قلم سے لوحِ محفوظ پر ہو گیا تھا، یہ حروف سات انوار ہیں، جو حضرتِ آدم، حضرتِ نوح، حضرتِ ابراہیم، حضرتِ موسیٰ، حضرتِ عیسیٰ، حضرتِ محمّد مصطفٰے، اور حضرتِ قائم صلوات اللہ علیہم سے منسوب ہیں۔

۱۷۔ جملہ انبیا و ائمہ علیہم السّلام کا راستہ اور منزلِ مقصود ایک ہی ہے، اور وہ معراج ہے، پس سورۂ فاتحہ میں مُسلمین کو یہ تعلیم

دی گئی ہے کہ وہ انہی حضرات کے پیچھے پیچھے چلنے اور اسی منزلِ آخرین تک پہنچ جانے کی دعا کرتے رہیں، اور آپ جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم ناممکن کام کے لئے حکم نہیں دیتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامۃ القیامات تک اُمّت کے جتنے لوگ رسولؐ میں فنا ہو جائیں گے، وہ اپنے عالمِ شخصی میں آنحضرتؐ کے معجزۂ معراج کا مشاہدہ کر کے نورِ نبیؐ کی معرفت حاصل کر لیں گے، کیونکہ حضورِ اکرمؐ کی معرفت منازلِ روحانیت میں ہے، اور کمالِ معرفت معراج پر ہے۔ والسّلام۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی
کراچی
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
۱۶ دسمبر ۱۹۸۷ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

Table of Contents